مولانا محمد اسجد قاسمی ندوی
شیخ الحدیث جامعہ عربیہ امدادیہ مراد آباد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت شیخ الہندؒ

شخصیت، خدمات و امتیازات

تالیف:

مولانا ڈاکٹر محمد اسجد قاسمی ندوی صاحب

مہتمم وشیخ الحدیث

جامعہ عربیہ امدادیہ مرادآباد

وخلیفہ مجاز: عارف باللہ حضرت مولانا

شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

Mob`ile: **09412866177**

ناشر:

مرکز الکوثر التعلیمی والخیری مراداباد

تفصیلات

نام کتاب	:	حضرت شیخ الہندؒ: شخصیت، خدمات وامتیازات
تالیف	:	مولانا محمد اسجد قاسمی ندوی صاحب شیخ الحدیث جامعہ عربیہ امدادیہ مرادآباد
طبع اول	:	محرم الحرام ۱۴۳۶ھ مطابق نومبر ۲۰۱۴ء
کمپوزنگ	:	محمد شعیب قاسمی سیتاپوری
صفحات	:	۷۲
ناشر	:	مرکز الکوثر التعلیمی والخیری مرادآباد
قیمت	:	

ملنے کے پتے:

جامعہ عربیہ امدادیہ مرادآباد یوپی

کتب خانہ نعیمیہ دیوبند

مکتبہ الفرقان لکھنؤ

مرکز دعوت وارشاد دارالعلوم الاسلامیہ بستی یوپی

مولانا عبدالسلام خان قاسمی 179 کتاب مارکیٹ، وزیر بلڈنگ، بھنڈی بازار ممبئی

مشمولات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انتساب

ملک کی ممتاز، معروف، تاریخی قدیم درسگاہ

جامعہ عربیہ امدادیہ مرادآباد

کے نام

جس کی بابرکت فضا میں

یہ خدمت انجام دی گئی۔

●

تأثرات

بقلم: نبیرۂ شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان منصور پوری صاحب دامت برکاتہم

نحمده ونصلی علی رسوله الکریم، امابعد!

محدثِ جلیل، شیخ الہند، اسیر مالٹا حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی نور اللہ مرقدہ کی شخصیت علماء حق کے درمیان ایک امتیازی شان کی حامل ہے، آپ جہاں برصغیر کی سب سے مستند علمی ودینی درسگاہ دارالعلوم دیوبند کے مسند صدارت حدیث پر فائز تھے، جہاں سے آپ کی ذات سے علومِ نبوت کا چشمۂ صافی جاری تھا، وہیں آپ سلوک وتصوف، اِنابت الی اللہ، ذوقِ عبادت اور اخلاق فاضلہ میں بھی ممتاز تھے، اور ساتھ میں آپ نے اپنے بلند پایہ استاذ جلیل القدر حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی نور اللہ مرقدہ کے دل میں موج زن جذبات غیرت وحمیت کو بھی اپنے سینے میں اس طرح سمولیا تھا کہ آپ کے رگ وریشہ سے جہادِ حریت کے شرارے پھوٹتے تھے۔

خلافت عثمانیہ کا ضعف واضمحلال، بلقان اور یوروپ کی صلیبی جنگیں، اور روس میں خونِ مسلم کی ارزانی کی خبریں سن کر آپ کی راتیں کروٹیں بدلتے ہوئے اور دن کے اوقات غم واندوہ کے عالم میں گذرتے تھے، اور آپ یہ سمجھتے تھے کہ جب تک انگریزی سامراج ہندوستان سے بے دخل نہ ہوگا اس وقت تک عالم اسلام کے مصائب کم نہ ہوں گے، بالآخر آپ نے اپنے اسلاف کی اولوالعزمی کا نمونہ دکھاتے ہوئے ایک ایسی تحریک (ریشمی رومال) کی داغ بیل ڈالی، جو اگر کامیابی سے ہم کنار ہوجاتی تو آج برصغیر کا نقشہ ہی دوسرا ہوتا، مگر تقدیر کو کون ٹال سکتا ہے؟ اسی تحریک کے راز فاش ہوجانے پر آپ کو انگریز نے گرفتار کیا اور تین سال سے زائد آپ نے مالٹا کے جیل خانے میں سنتِ یوسفی ادا کی۔

بہر حال آج ضرورت ہے کہ حضرت شیخ الہندؒ کے افکار ونظریات کو عام کیا جائے، تاکہ آنے والی نسلوں میں بھی دینی حمیت وغیرت زندہ رہے۔

احقر کو بڑی مسرت ہے کہ مشہور ومقبول عالم دین، محترم ومکرم حضرت مولانا محمد اسجد صاحب قاسمی ندوی مدظلہ مہتمم وشیخ الحدیث جامعہ عربیہ امدادیہ مرادآباد (جو ماشاءاللہ ایک صاحب طرز ادیب ہیں اور تحریر وتقریر پر دونوں یکساں قدرت رکھتے ہیں، نیز سلامت روی کی دولت سے مالا مال ہیں) نے معتبر حوالوں سے حضرت شیخ الہندؒ کی شخصیت اور خدمات پر ایک جامع رسالہ تالیف فرمایا ہے، جو حضرت شیخ الہندؒ کی زندگی کے مختلف روشن پہلوؤں کو شامل ہے۔قوی امید ہے کہ شائقین اس رسالہ سے استفادہ کریں گے،اس سے نہ صرف ان کی معلومات میں اضافہ ہوگا، بلکہ سلفِ صالحین اور حضراتِ اکابر کے افکار ونظریات اپنانے کا جذبہ بھی بیدار رہوگا، انشاءاللہ تعالیٰ۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس رسالہ کو عوام وخواص بالخصوص علماء اور طلبہ میں قبولیت سے نوازیں، اور فاضل مؤلف کو جزائے خیر عطاء فرمائیں، آمین۔

فقط واللہ الموفق:

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

خادم مدرسہ شاہی مرادآباد

۲/۱۲/۱۴۳۵ھ

ابتدائیہ

الحمد لله رب العالمين ، والصلوة والسلام على سيد المرسلين، و على آله و صحبه اجمعين .

حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیو بندی نور اللہ مرقدہ کی ذات گرامی پوری ملت اسلامیہ کے لئے سرمایۂ ناز وافتخار شخصیت کا مقام رکھتی ہے، حضرت کی تعلیمی ، تربیتی، اصلاحی و جہادی خدمات ومجاہدات پوری ملت کے لئے مشعل راہ نمونے کا درجہ رکھتے ہیں۔

احقر کے دل میں یہ داعیہ پیدا ہوا کہ ایک مختصر رسالہ حضرت شیخ الہند کے اجمالی حالات اور امتیازی کمالات اوران کے ذریعے حاصل ہونے والے عظیم پیغام پر مشتمل مرتب کیا جائے۔

اللہ رب العالمین نے اس تمنا کی تکمیل کی راہ اس طرح پیدا فرمائی کہ جمعیۃ علماء ہند(جواصلاً بنیادی طور پر حضرت شیخ الہند کے افکار کی اساس پر اول روز سے قائم ہے) نے تحریک ریشمی رومال پر ہجری اعتبار سے ایک صدی مکمل ہونے کی مناسبت سے اس تحریک اور قائد تحریک حضرت شیخ الہند سے امت اور بطور خاص نوجوانوں کو باخبر کرنے کے لئے مختلف چھوٹے بڑے اجتماعات اور کانفرنسیں منعقد کرنے کا سلسلہ شروع کیا۔

احقر کو اس سلسلے کے متعدد پروگراموں میں شرکت کا موقع ملا اور اسی سے تحریک پا کر احقر نے ایک مقالہ'' حضرت شیخ الہند: شخصیت، خدمات و امتیازات'' کے موضوع پر ترتیب دیا، جس میں حضرت کی تعلیمی وتحریکی و جہادی خدمات کا اجمالی تذکرہ بھی ہے اور حیات شیخ الہند کے انقلاب آفریں، نصیحت آموز، فکر انگیز اور قابل تقلید امتیازی پہلوؤں کا بطور خاص بیان بھی ہے۔

یہ مقالہ مختلف مجلّات وجرائد میں طبع بھی ہوا، بطور خاص ماہنامہ'' ندائے شاہی'' مرادآباد میں تین قسطوں میں اس کی اشاعت عمل میں آئی، اوراس کے منتخب اجزاء'' فکر اسلامی'' بستی میں بھی طبع ہوئے۔

متعدد احباب کے اصرار پر احقر نے اسے کتابی شکل میں شائع کرنے کا ارادہ کیا، اس موقع

پر یہ خیال بھی آیا کہ حضرت شیخ الہند کی حدیثی خدمات پر بھی ایک مضمون مرتب کر کے اس میں شامل کیا جائے۔

یہ خیال اس لئے پیدا ہوا کہ مارچ ۲۰۰۷ء میں محدث گرامی حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی مظاہری صاحب دامت برکاتہم (جن کو اللہ نے بطور خاص خدمت حدیث کے میدان میں خاص توفیق سے نوازا ہے اور متعدد جلیل القدر تالیفات وتحقیقات وخدمات ان کے قلم سے اور ان کی سرپرستی میں طبع ہو کر اہل علم کے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک بن رہی ہیں) نے اپنے جامعہ اسلامیہ مظفر پور اعظم گڑھ میں ''تیرہویں اور چودھویں صدی ہجری میں ہندوستان اور علم حدیث'' کے موضوع پر انتہائی عظیم الشان باوقار، مبارک علمی سمینار منعقد کیا تھا، خود احقر نے اس میں حضرت نانوتوی کی حدیثی خدمات پر اپنا مقالہ پیش کیا تھا، سمینار کے مقالات کا گراں قدر مجموعہ بھی شائع ہو چکا ہے جس میں حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ سے لے کر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمیؒ تک تمام ممتاز محدثین کی خدمات پر مقالات شامل اشاعت ہیں، مگر باعث تأسف و تعجب ہے کہ حضرت شیخ الہند (جو استاذ الاساتذہ اور محدث جلیل ہیں) کی خدمات پر ضمنی تذکرے کے سوا کوئی مستقل مقالہ نہ پیش کیا گیا اور نہ شامل اشاعت ہوا۔

اس طرح احقر نے اس کو ایک قرض محسوس کیا اور ادائے فرض کے لئے اپنی نااہلی کے باوجود اس موضوع پر قلم اٹھایا اور ایک مقالہ مرتب کیا۔

اب یہ رسالہ حضرت شیخ الہندؒ کے حالات، نمایاں خدمات، امتیازات اور علمی بطور خاص نمایاں حدیثی خدمات کو جامع ہو گیا ہے، میرے لئے باعث مسرت ہے کہ نبیرۂ شیخ الاسلام مخدوم گرامی حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان منصور پوری دامت برکاتہم نے از راہ ذرہ نوازی اپنے گراں قدر تأثرات ارقام فرمائے جو زینت کتاب بن رہے ہیں۔

اللہ عز وجل اپنے فضل سے اس خدمت کو قبول فرمائے اور اس کا فیض عام فرمائے، آمین۔

محمد اسجد قاسمی ندوی

خادم حدیث جامعہ عربیہ امدادیہ مراد آباد

۶؍ذی الحجہ ۱۴۳۵ھ مطابق ۲؍اکتوبر ۲۰۱۴ء

باب اول

حضرت شیخ الہندؒ:
شخصیت، خدمات وامتیازات

حضرت شیخ الہندؒ: شخصیت، خدمات وامتیازات

زندہ اور باحوصلہ قوموں کی ایک نمایاں شناخت یہ ہوتی ہے کہ ان کا رشتہ اپنے ماضی کی روشن تاریخ، ماضی کے اہل عزیمت اور آئیڈیل بزرگوں، ماضی کے بیش قیمت اثاثہ اور رہنما اقدار سے بہت مضبوط ہوتا ہے، واقعہ یہی ہے کہ اپنے روشن ماضی سے وابستگی اپنے حال کو تابناک بنانے کا مستحکم ذریعہ ہے، اور پھر اسی سے درخشاں مستقبل کی تعمیر کی راہیں بھی ہموار ہوتی ہیں۔

ہمارے ماضی کی بافیض، مثالی، قابل رشک شخصیات میں ایک بہت نمایاں نام ''شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی (م ۱۳۳۹ھ) کا ہے، جن کے تذکرے کے بغیر عزیمت واستقامت کی تاریخ مکمل نہیں ہوسکتی، ان کی ذاتِ گرامی صرف ایک عالم ربانی، صرف ایک محدثِ جلیل، صرف ایک مفسر قرآن، صرف ایک صاحب نسبت شیخ کامل ہی کا مقام نہیں رکھتی؛ بلکہ ان کی ذات علم وعمل، فراست وبصیرت، تدبر وحکمت، جہاد وعزیمت اور ثبات واستقامت کے ایک روشن شاہکار کی حیثیت رکھتی ہے۔

وہ بیک وقت راسخ العلم عالم ربانی بھی تھے، مجسم زہد وتقویٰ بھی تھے، سربکف مجاہد بھی تھے، امت کے دردمند مصلح بھی تھے، سراپا عمل وحرکت، پیکر صدق وصلاح، علوم شریعت کے رمز شناس، مرجع خاص وعام، اعلیٰ نسبت روحانی کے حامل، ''رھبان باللیل وفرسان بالنھار'' (دن کے شہ سوار ومجاہد اور شب زندہ دار عابد ومرتاض) اسلاف کے مکمل اور صحیح معنوں میں وارث، روشن دماغ، عالی حوصلہ، بلند نگاہ، بقول شاعر:

نگہ بلند، سخن دل نواز، جاں پر سوز
یہی ہے رختِ سفر، میرِ کارواں کے لئے

اللہ نے ان کی ذات میں ایک عالم جمع کر دیا تھا:

ولیس علی اللّٰہ بمستنکر
أن یجمع العالَم في واحد

ولادت، تعلیم واساتذہ

حضرت شیخ الہندؒ کی ولادت ۱۲۶۸ھ (مطابق ۱۸۵۱ء) میں بریلی میں (جہاں آپ کے والد حضرت مولانا ذوالفقار علی صاحبؒ ملازمت کی وجہ سے مقیم تھے) ہوئی، اور نشو ونما دیوبند میں ہوئی، دیوبند کے معروف ولی حضرت میاں جی منگلوریؒ سے ۶/سال کی عمر میں قرآن پڑھا، اردو وفارسی کی ابتدائی کتابیں شیخ عبداللطیف صاحب اور مولانا مہتاب علی صاحب سے پڑھیں، آپ کی عمر ۱۵/سال ہوئی تو ۱۵/محرم ۱۲۸۳ھ (۱۸۶۶ء) میں دارالعلوم دیوبند کا قیام عمل میں آیا، اکابر کی موجودگی میں دارالعلوم کے اولین استاذ صاحب نسبت بزرگ ملا محمود دیوبندیؒ کے سامنے مسجد چھتہ میں دارالعلوم کے پہلے طالب علم کے طور پر سب سے پہلے حضرت شیخ الہند نے زانوئے تلمذ تہہ کیا، وہ دنیا کے سامنے دارالعلوم کی کارکردگی کا سب سے پہلا نمونہ تھے۔

حضرت نے مختلف علوم کی تحصیل کے لئے جن عبقری شخصیات سے استفادہ کیا، ان میں حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، جامع العلوم حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ، حضرت کے والد مولانا ذوالفقار علی دیوبندیؒ اور حضرت مولانا سید احمد دہلویؒ سرفہرست ہیں۔

حضرت نانوتویؒ سے آپ کو بے حد قریبی تعلق تھا، سفر وحضر میں آپ ان کے ہمراہ رہتے تھے، اس طرح صحاحِ ستہ کی تکمیل آپ نے کی، ۱۲۸۹ھ میں آپ دارالعلوم سے فارغ ہوئے، دارالعلوم کے پہلے اجلاس دستار بندی منعقدہ ۱۲۹۰ھ میں آپ کی دستار بندی ہوئی۔

تدریس

۱۲۸۹ھ میں ہی آپ نے معاون مدرس کے طور پر دارالعلوم میں تدریسی خدمات شروع کردی تھیں، ۱۲۹۲ھ میں آپ کو دارالعلوم کا باضابطہ مدرس طے کیا گیا، ایک سال بعد ہی سے آپ سے دورۂ حدیث شریف کی اہم کتب حدیث کا درس متعلق ہوگیا، یہ سلسلہ مسلسل ۴۴ رسال جاری رہا، اور ہزاروں طالبانِ علوم نبوت نے آپ سے استفادے اور تلمذ کا شرف پایا، ۱۳۰۵ھ میں آپ کو دارالعلوم کی مسند صدارتِ تدریس سونپی گئی جو تاحیات آپ کے وجود سے رونق یاب رہی، رجال سازی آپ کا نمایاں جوہر تھا، آپ کے تلامذہ علم وفضل کے آفتاب بنے، جن میں بطور خاص حضرت تھانوی، حضرت مدنی، علامہ کشمیری، علامہ عثمانیؒ، شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی، مولانا گیلانی، مفتی اعظم مفتی کفایت اللہ، مولانا سندھی، علامہ بلیاوی، حضرت مولانا فخرالدین رحمہم اللہ وغیرہ سرفہرست تھے۔

آپ کا درس بے حد مقبول ومنفرد ہوتا تھا، علوم ومعارف کا فیضان تھا جو جاری رہتا تھا، بالخصوص درسِ حدیث میں آپ کی محدثانہ، متکلمانہ، فقیہانہ اور محققانہ شان بہت نمایاں رہتی تھی، آپ کے تلامذہ نے آپ کی اس خصوصیت کا مفصل ذکر کیا ہے، اس اس کو یہاں نقل کرنا موجب طوالت ہوگا، تاہم آپ کے تلمیذ رشید حضرت مولانا مناظر احسن گیلانیؒ کا یہ پیرا گراف نقل کیے بغیر نہیں رہا جاسکتا۔ لکھتے ہیں:

''حقیقت یہ ہے کہ جس وقت (صحیح بخاری کے) تراجم ابواب کی بحث شیخ الہندؒ کے حلقہ میں چھڑ جاتی تھی، تو حضرت والا پر بھی خاص حال طاری ہوجاتا تھا، اور سننے والے بھی محو حیرت بن جاتے تھے، وجد کی سی کیفیت میں معلوم ہوتا تھا کہ سارا مجمع ڈوب گیا ہے۔ **کأن علی رؤوسھم الطیر** کا منظر قائم ہوجاتا تھا، خود وہ بھی کھل جاتے تھے، اور سننے والے بھی کھلے جاتے تھے، نئے معارف، جدید حقائق جو نہ کبھی سنے گئے اور نہ پڑھے گئے، معلوم ہوتا تھا کہ اُن سے پردے ہٹ رہے ہیں، دل کی گرہیں وا ہوتی چلی جاتی ہیں''۔ (احاطۂ دارالعلوم میں بیتے ہوئے دن ۱۵۶)

احسان وسلوک ومعرفت

۱۲۹۴ھ میں آپ نے حضرت نانوتویؒ ودیگر اکابر کی معیت میں حج بیت اللہ کا سفر کیا، اس موقع پر مکۃ المکرّمہ میں سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت وانتساب کا تعلق قائم کیا اور اسی سفر میں حضرت کی طرف سے اجازت وخلافت سے سرفراز ہوئے، حضرت حاجی صاحب کے علاوہ آپ کو حضرت نانوتویؒ اور حضرت گنگوہیؒ سے بھی اجازت وخلافت حاصل تھی، اکابر اہل اللہ کے ساتھ اس نسبت نے آپ کو صفائے باطن، اتباعِ سنت، اخلاقِ عالیہ، تواضع وفروتنی، اخلاص وللّٰہیت کے بے انتہاء بلند مقام پر پہنچا دیا تھا۔

تحریکی وجہادی خدمات

حضرت شیخ الہند کی حیاتِ عزیمت کا انتہائی روشن باب تحریک آزادی اور جہادِ حریت کے میدان میں ان کی بے مثال جدوجہد اور قائدانہ سرگرمی ہے، ملک کو انگریزوں کے استبداد سے نجات دلانے کے لئے اور امت کے وقار گذشتہ کی بحالی کے لئے آپ شب وروز فکرمند رہتے تھے، آپ قیام دارالعلوم کا مقصد تعلیم وتربیت کے ساتھ ہی ساتھ اس عظیم انقلابی ملکی وملی خدمت کے لئے افرادِ کار تیار کرنا بھی سمجھتے تھے، چناں چہ سب سے پہلے آپ نے اپنے استاذ حضرت نانوتویؒ کی ایماء پر اپنے رفقاء کے ساتھ ۱۲۹۵ھ میں ایک تنظیم ''انجمن ثمرۃ التربیت'' کے نام سے بنائی، یہ بظاہر دارالعلوم کے ابنائے قدیم کی ایک اجتماعی تنظیم تھی، جو درحقیقت آزادئ وطن اور جہادِ حریت کا اصل مشن آگے بڑھانے کے مقصد سے وجود میں آئی تھی، اس تحریک کی اصل سرگرمی قبائلی علاقوں میں تھی، حضرت نے اپنے شاگرد مولانا سندھیؒ کو سندھ کے اطراف میں آزادئ ہند کے لئے مخفی اور منظّم کوششوں پر مامور کر رکھا تھا۔

۱۳۲۷ھ مطابق ۱۹۰۹ء میں یہ تحریک ''جمعیۃ الانصار'' کے نئے نام سے سامنے آئی،

اس کے ناظم مولانا سندھیؒ تھے، اس تحریک سے عوام کو متعارف کرانے کے لئے دارالعلوم کے زیر اہتمام ۱۹۱۱ء میں عظیم الشان اجلاس دستار بندی منعقد ہوا، جس میں ۳۰ ہزار افراد شریک ہوئے، اور یہ تحریک سرگرم ہوگئی، پھر اس کا باضابطہ پہلا اجلاس اپریل ۱۹۱۱ء میں مرادآباد میں ہوا، انگریز اس سرگرمی سے بہت چوکنا ہوگئے، خدشہ یہ ہوگیا تھا کہ حکومت اس کی وجہ سے دارالعلوم کو نقصان نہ پہنچادے، چناں چہ تیسرے مرحلہ میں یہی تحریک ''نظارۃ المعارف القرآنیہ'' کے نئے نام سے سامنے آئی، یہ ۱۹۱۳ء کی ابتداء تھی، عالم اسلام کے مختلف خطوں پر برطانوی ظلم و مداخلت کا سلسلہ بڑھتا جارہا تھا، ۱۹۱۴ء میں جنگ عظیم شروع ہوئی، جس میں دولت عثمانیہ کو زبردستی گھسیٹا گیا اور اس کے وجود کو خطرات لاحق ہونے لگے، ہندوستان میں بھی مسلمانوں کے ساتھ ظلم وتشدد کا رویہ اپنایا جانے لگا، حضرت شیخ الہند نے اس موقع پر تحریک جہاد شروع کرنے کا فیصلہ فرمالیا، یہی تحریک بعد میں ''تحریک ریشمی رومال'' کہلائی۔

۱۹۱۵ء میں جب جنگ عظیم شباب پر تھی، برطانوی حکومت خطرات کی زد میں تھی، اس کی تمام تر توجہ یورپ کی اس جنگ پر تھی، انہیں حالات میں حضرت شیخ الہند نے انگریزوں کے خلاف بغاوت اور بیرونی مدد سے یاغستانی آزاد قبائل کی طرف سے ملک پر حملے کے پروگرام کو عملی شکل دینے کے لئے مولانا سندھیؒ کو کابل بھیج دیا، اِدھر ہندوستان میں حالات حساس تھے، ہر وقت گرفتاری کے خطرات تھے، اس لئے حضرت شیخ الہند خود حجاز کا سفر فرما کر جنگی نقشہ مرتب کرنے اور ترکی کی حکومت سے تعاون حاصل کرنے کی مساعی میں مصروف ہوگئے، آپ کی اس تحریک کے ۷/اہم مراکز تھے: (۱) دیوبند (۲) دہلی (۳) دین پور شریف (۴) مروٹ شریف (۵) کھڈہ کراچی (۶) چکوال (۷) زیگی یاغستان۔

حجاز میں حضرت شیخ الہندؒ نے گورنر مکہ غالب پاشا سے پوری صورتِ حال اور مقصد بتایا، اور ان سے مسلمانانِ ہند کے نام ظالم انگریزوں کے خلاف سرگرم ہونے کا پیغام بھی حاصل کرلیا، یہ پیغام آپ خود براہِ استنبول یاغستان پہنچانا چاہتے تھے، لیکن انگریزوں نے عراق پر حملہ کردیا تھا، جس کی وجہ سے حالات ابتر تھے، بعد میں آپ نے لکڑی کے مخصوص

صندوق میں تختوں کے بیچ میں رکھ کر یہ تحریر احتیاط کے ساتھ مولانا ہادی حسن خانجہاں پوری کے ذریعہ ہندوستان بھجوائی، جو بعد میں آپ ہی کے حکم کے مطابق مولانا محمد میاں منصور انصاریؒ کے ذریعہ سرحد اور آزاد قبائل تک پہنچی، اس کے بعد آپ مدینہ منورہ گئے، وہاں ترکی کے وزیر جنگ انور پاشا اور شامی محاذ کے ذمہ دار جمال پاشا سے مل کر تحریریں حاصل کیں، پھر افغانستان جانے کا ارادہ کیا، اس سلسلہ میں غالب پاشا سے مدد حاصل کرنے کے لئے طائف گئے کہ اسی دوران شریف مکہ نے انگریزوں سے سمجھوتہ کرلیا، اور ترکوں کے خلاف بغاوت کردی، آپ کو طائف پھر مکہ میں مقیم ہونے پر مجبور ہونا پڑا۔

غالب پاشا کی تحریر (غالب نامہ) نے آزاد قبائل میں جوش آزادی بھر دیا تھا، سرگرمیاں بڑھ گئیں، آئندہ کا لائحہ عمل طے کرنے اور کام کی موجودہ صورتِ حال سے آگاہ کرنے کے لئے مولانا سندھیؒ نے ایک ریشمی رومال پر حضرت شیخ الہند کے نام ایک خط تحریر کیا، جس میں پوری کارگذاری، آئندہ کے منصوبوں، حملہ کے مورچوں، اور دیگر تفصیلات کا ذکر تھا، یہ خط ۱۰؍جولائی ۱۹۱۶ء کو مولانا سندھی نے اپنی تحریک کے ایک معتمد شخص عبدالحق کے سپرد کیا کہ وہ اسے مولانا عبدالرحیم سندھیؒ تک پہنچا دے، جو اسے مدینہ منورہ پہنچا دیں گے۔

مقدر کا فیصلہ تھا کہ اس تحریک کا راز فاش ہوگیا، عبدالحق راستے میں رب نواز نامی انگریز حکام کے ایجنٹ کے پاس رکا، اس نے کسی طرح یہ خط حاصل کرلیا، اور انگریز حکام کے سپرد کردیا، اس تحریک کے انکشاف نے انگریز حکومت کی نیند اڑادی، پھر تفتیش کا طویل سلسلہ شروع ہوا، شبہات کی بنیاد پر بے شمار افراد گرفتار کئے گئے، شریف مکہ کے ذریعہ ترکوں سے متعلق ایک فتویٰ کو بہانہ بنا کر حضرت شیخ الہند کو ان کے سراپا فدائیت رفقاء حضرت مدنیؒ، حضرت مولانا عزیر گلؒ، حکیم نصرت حسینؒ، حضرت مولانا وحید احمد صاحب کے ساتھ گرفتار کرکے مالٹا کے قید خانے میں بھیج دیا گیا، یہ قید بامشقت تین سال سے زائد عرصے پر محیط رہی، مارچ ۱۹۲۰ء میں آپ مالٹا سے رہا ہوکر وطن روانہ ہوئے، اسکندریہ پھر سویس میں کئی ماہ رکنا پڑا، پھر ۸؍جون ۱۹۲۰ء کو ساحل ممبئی پر پہنچے جہاں بڑے جوش وخروش سے آپ کا استقبال

کیا گیا۔

آپ نے دو روز ممبئی میں قیام فرمایا، خلافت تحریک کی طرف سے آپ کو استقبالیہ دیا گیا، اور شیخ الہند کے خطاب سے مخاطب کیا گیا جو بعد میں آپ کے نام کا جزو بن گیا۔

جمعیۃ علماء و تحریک خلافت

آپ کی اسارت مالٹا کے دوران ہی نومبر ۱۹۱۹ء میں جمعیۃ علماء ہند کی تاسیس ہو چکی تھی، جو تمام مسالک و مکاتب فکر کے علماء کی مشترک جماعت تھی، خلافت تحریک بھی زور و شور سے سرگرم عمل تھی، آپ نے اس پوری تحریک کو اپنی مؤثر تائید سے قوت بخش دی، اور ترکِ موالات (انگریزوں کے بائیکاٹ) کے تعلق سے برطانوی حکومت کے خلاف آپ نے فتویٰ جاری کیا، جسے سینکڑوں اہل علم کی تائید کے ساتھ منظر عام پر لایا گیا، جمعیۃ علماء کے اجلاس دوم (۱۹-۲۰ر نومبر ۱۹۲۰ء) منعقدہ دہلی میں آپ نے اپنے خطبہ صدرات میں اپنے اس موقف کا مضبوطی سے اعلان واظہار کیا اور آزادئ وطن کے لئے قومی یک جہتی اور برادرانِ وطن کے ساتھ تعلقات باقی رکھنے کی طرف توجہ دلائی، یہ خطبۂ صدارت آپ کے ضعف ونقاہت کی وجہ سے شرکت نہ کرسکنے کی بنا پر صدر جمعیۃ حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب نے پڑھ کر سنایا۔

جامعہ ملیہ

اسی تحریک سے متأثر ہوکر علی گڈھ مسلم یونیورسٹی کے ڈیڑھ سو طلبہ نے مولانا محمد علی جوہر کی کوششوں سے تحریک خلافت کی پرزور حمایت کی، اور جامعہ ملیہ کے نام سے الگ ادارہ قائم کرنے کا ارادہ کیا، اس کے افتتاحی پروگرام کی صدارت سخت ناسازئ طبع کے باوجود حضرت شیخ الہندؒ نے فرمائی، آپ کا خطبۂ صدارت آپ کی طرف سے علامہ عثمانیؒ نے سنایا، جامعہ ملیہ کا قیام عمل میں آیا، جو پانچ سال کے بعد دہلی منتقل ہو گیا۔

عزیمت واستقامت اور فدا کاری

تحریک ریشمی رومال کی پوری داستانِ ثبات واستقامت اور قائدِ تحریک حضرت شیخ الہند کی جدوجہد اور اسارت وجواں مردی سے امت کو جو پیغام ملتا ہے، امت اور بطورِ خاص نوجوان نسل معاصر پرآشوب حالات کے تناظر میں جو سبق اس سے حاصل کرسکتی ہے، اور جسے اس پوری تحریک کا خلاصہ وعطر اور جوہر وروح، اور اس کے قائد کی فکر، سوز اور درد قرار دیا جاسکتا ہے، وہ ''عزیمت، ثابت قدمی، استقامت اور حق کے لئے سب کچھ قربان کردینے کا جذبہ'' ہے، حضرت شیخ الہند کی حیات وسیرت کا سب سے زیادہ قابل رشک وتقلید پہلو اور سب سے روشن پیغام اور سبق موقف حق کے لئے استقامت اور فدا کاری ہے۔

اسارت مالٹا کے دور میں ایک طرف قید بامشقت کا دشوار مرحلہ تھا، دوسری طرف موسم کی ناسازگاری اور بے انتہاء سردی کی مشقت تھی، مالٹا کے خطہ میں سخت برفانی ہوائیں چلتی تھیں، ان کی شدت کا کیا عالم ہوتا تھا، اس کا ذکر کرتے ہوئے حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنیؒ لکھتے ہیں:

> ''کیمپ جہاں یہ قافلہ رکھا گیا تھا، اگرچہ خندق میں واقع تھا، مگر چوں کہ اس میں فقط خیمے تھے، اس لئے وہ سردی سے پوری طرح حفاظت نہ کرسکتے تھے، اور پھر کھلا ہوا میدان تھا، باوجودیکہ ہم اپنے کپڑوں کو پہنے ہوئے دودو کمبل اور ایک ایک چادر اوڑھے ہوئے گدوں پر ایک کمبل بچھائے ہوئے ہوتے تھے، مگر تقریباً دوبجے رات سے کثرتِ سردی کی وجہ سے نہ اٹھنے کی ہمت ہوتی تھی اور نہ نیند ہی آتی تھی، صبح کے وقت مجبور ہوکر نماز کے لئے اٹھنا پڑتا تھا، تو خیمہ سے سر نکالنا ایک عذابِ الیم کا سامنا ہوتا تھا، سرد ہوا کے اس زور کے تھپیڑے لگتے تھے کہ معلوم ہوتا تھا کہ جسم کٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہوجائے گا''۔(سفرنامہ مالٹا ۹۱)

اس مرحلے کو حضرت شیخ الہندؒ نے کیسی عزیمت وثابت قدمی کے ساتھ سر کیا، جسم لاغر تھا، عمر اچھی خاصی تھی، سردی کا زمانہ ہندوستان میں بھی بڑی مشقت سے گذرتا تھا، اب جیل خانے کی یہ سردی جہاں روئی دار کپڑوں اور آگ سے گرمی حاصل کرنے کی کوئی سہولت بھی نہ تھی، آپ کے لئے سب سے سخت سزا تھی، لیکن اس سب کے باوجود حضرت کے معمولات میں ذرہ برابر فرق نہ آیا، قیام اللیل، تلاوت، ذکر، انابت ودعا کے جو معمولات پہلے تھے، اسی شان سے جاری رہے۔

ان سب کے ساتھ جسمانی ظلم وتشدد کے صبر آزما مرحلوں سے بھی حضرت کو گذرنا پڑا، واقعات میں آتا ہے کہ:

حضرت شیخ الہند کی تدفین کے بعد ان کے مجسم ایثار اور سراپا فدائیت شاگرد شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ سے دریافت کیا گیا کہ حضرت کو غسل دیتے وقت کمر کے اوپر عجیب طرح کے نشانات دیکھنے میں آئے، ایسا لگتا تھا کہ پشت کو آگ سے داغا گیا ہو، یہ سن کر حضرت مدنیؒ آب دیدہ ہوگئے اور فرمایا کہ: ''یہ میرے حضرت کا راز تھا'' حضرت نے مجھے تاکید کی تھی کہ میری زندگی میں یہ راز کسی کو مت بتانا، میں نے اس عہد کی پابندی کی؛ لیکن اب عرض کرتا ہوں کہ اسارتِ مالٹا کے دوران ایک موقع پر جب انگریزوں کی طرف سے بے حد اصرار بڑھا کہ تم اپنا موقف بدل دو اور ہماری حمایت کا اعلان کردو، مگر حضرت شیخ الہند نے پوری قوت سے منع کردیا اور اپنے موقف پر بہرصورت ثابت قدم رہنے کا اعلان کردیا، انگریزوں نے آگ جلوائی، انگارے گرم کرائے، حضرت کو ان انگاروں پر لٹا دیا گیا، پوری پشت جھلس گئی، یہ سزا جھیلنے کے بعد جب حضرت کمرے میں آئے تو تکلیف اتنی شدید

تھی کہ سونا مشکل تھا، مستقل کراہ رہے تھے، نا قابل بیان کیفیت تھی، ہم سے حضرت کی یہ حالت برداشت نہیں ہو رہی تھی، ہم نے ادب سے عرض کیا: حضرت! شریعت میں جان بچانے کے لئے حیلے کی تو اجازت ہے، جان بچانے کے لئے اگر آپ ان انگریزوں کے سامنے کوئی ذو معنی مبہم بات کہہ دیں تو کیا حرج ہے؟ یہ سن کر حضرت نے فرمایا کہ: ''حسین احمد! تم مجھے کیا سمجھتے ہو؟ میں روحانی بیٹا ہوں حضرت بلال کا، میں روحانی بیٹا ہوں حضرت خبیب کا، میں روحانی بیٹا ہوں حضرت امام اعظم کا، میں روحانی بیٹا ہوں حضرت امام مالک کا، میں روحانی بیٹا ہوں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کا، یہ لوگ میرے جسم سے جان تو نکال سکتے ہیں، مگر میرے دل سے ایمان نہیں نکال سکتے''۔ (ملاحظہ ہو: خطبات ہند، از: حضرت مولانا ذوالفقار نقشبندی مدظلہم ۱/۲۵۲-۲۵۳)

صحابی جلیل اور دشمنانِ اسلام کی طرف سے بار بار آگ کے انگاروں پر لٹائے جانے کی سزا اور مشقت جھیلنے والے حضرت خباب بن الارت رضی اللہ عنہ کی سنت ادا کرنے والے ان کے روحانی وارث و غلام حضرت شیخ الہند کی عزیمت اور موقف حق پر ثابت قدمی کا یہ ایک رنگ تھا، یہ ایک مثال تھی، ورنہ پوری حیاتِ شیخ الہند استقامت اور قربانیوں کے ایسے نمونوں سے لبریز ہے، اور امت کو نازک سے نازک حالات میں بھی جادۂ حق پر استقامت اور موقف حق سے سر مو بھی انحراف گوارا نہ کرنے کا پیغام عزیمت دے رہی ہے۔

خوف اور حساسیت

حیاتِ شیخ الہندؒ کا دوسرا قابل رشک و فخر پہلو سب کچھ کرتے ہوئے بھی کچھ نہ کر پانے کا احساس، ہر آن اپنی بے مائیگی اور بے بضاعتی کا تصور اور ہر لمحہ خوفِ الٰہی سے سرشاری اور

اپنے مجاہدات ومحنتوں کے ضائع ہونے اور رد کئے جانے کے تعلق سے مؤمنانہ فکرمندی اور متقیانہ حساسیت کا وہ جوہر ہے جو خاصانِ خدا کا امتیاز ہوتا ہے۔

اس کا ایک نمونہ اسارتِ مالٹا کے دور کا یہ واقعہ ہے کہ ایک بار انگریزوں کی طرف سے حضرت کو پھانسی دئے جانے کا فیصلہ بھی سنایا گیا، حضرت کو اطلاع ہوئی تو زار وقطار رونے لگے، آپ کے شاگردوں کو آپ کے اس گریہ پر تعجب ہوا، عرض کیا: ''یہ تو شہادت کا اعزاز ہے، آپ خوف زدہ کیوں ہیں؟'' فرمایا:

> ''مجھے موت سے خوف نہیں ہے، مجھے تو اللہ کی شانِ بے نیازی رلا رہی ہے، کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اللہ بندے کی جان بھی لے لیتا ہے، اور یہ قربانی قبول بھی نہیں کرتا''۔ (ایضاً: ۱/۲۵۵)

استقامت وفداکاری کے جذبۂ بے پناہ کے پہلو بہ پہلو یہ فکر، یہ احساس اور یہ خوف حضرت شیخ الہند کا وہ روشن کردار ہے جو پوری ملت بطور خاص دینی وملی خدمت گذاروں کے لئے مشعل راہ اور لمحہ فکریہ ہے۔

امت کو قرآن سے جوڑنے اور اتحاد کی فکر

سیرتِ شیخ الہندؒ کا تیسرا بہت فکر انگیز اور سبق آموز پہلو ''امت کو قرآن سے جوڑنے اور وحدت کی لڑی میں پرونے'' کا وہ مبارک جذبہ ہے جو ان کے سینے میں موجزن تھا، مالٹا سے رہائی کے بعد ایک رات دارالعلوم دیوبند میں بعد عشاء علماء کے بڑے مجمع کے سامنے آپ نے اپنا یہی جذبہ پیش کرتے ہوئے فرمایا:

> ''ہم نے مالٹا کی زندگی میں دو سبق سیکھے ہیں، میں نے جہاں تک جیل کی تنہائیوں میں اس پر غور کیا کہ پوری دنیا میں مسلمان دینی اور دنیوی ہر حیثیت سے کیوں تباہ ہو رہے ہیں، تو اس کے دو سبب معلوم ہوئے، ایک ان

کا قرآن چھوڑ دینا، دوسرے آپس کے اختلافات اور خانہ جنگی، اس لئے میں وہیں سے یہ عزم لے کر آیا ہوں کہ اپنی باقی زندگی اس کام میں صرف کروں کہ قرآنِ کریم کو لفظاً ومعناً عام کیا جائے، بچوں کے لئے لفظی تعلیم کے مکاتب بستی بستی قائم کئے جائیں، بڑوں کو عوامی درس کی صورت میں اس کے معانی سے روشناس کرایا جائے اور قرآنی تعلیم پر عمل کے لئے آمادہ کیا جائے اور مسلمانوں کے باہمی جنگ وجدال کو کسی قیمت پر برداشت نہ کیا جائے''۔ (وحدتِ امت، از: حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ ۵۰، تذکرے، از: حضرت مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم ۲۰۴)

امت کی عظمت رفتہ اور وقار گذشتہ کی بحالی اور بازیابی کا یہ دو نکاتی فارمولہ تھا جو شیخ الہند جیسے نباض ملت نے تجویز کیا تھا، اور پھر خود اس سمت میں محنت شروع کردی تھی، اور دوسرے لفظوں میں امت کو اور بطور خاص اپنے خلف کو یہ پیغام دیا تھا کہ ان دونوں محاذوں پر اولین توجہ کے ساتھ سرگرمی بڑھائی جائے۔

اخلاص

چوتھی چیز حضرت شیخ الہندؒ کے اخلاص، صفائے باطن اور صدقِ نیت سے متعلق ہے، اور یہ حضرت کی حیاتِ مستعار کا بے حد تابناک گوشہ ہے، حضرت کے شاگرد رشید حضرت حکیم الامت تھانویؒ تحریر فرماتے ہیں:

''ایک بار احقر کی درخواست پر مدرسہ جامع العلوم کانپور کے جلسہ دستار بندی میں رونق افروز ہوئے، اور احقر کے بے حد اصرار پر وعظ فرمانے کا وعدہ فرمایا، جامع مسجد میں وعظ شروع ہوا، جناب مولانا لطف اللہ صاحب علی گڈھی بھی کانپور تشریف لائے ہوئے تھے، میرے عرض کرنے پر جلسہ

میں تشریف لائے اور عین اثنائے وعظ تشریف لائے، اس وقت ایک بڑا عالی مضمون بیان ہورہا تھا، جس میں معقول کا ایک خاص رنگ تھا، ہم لوگ خوش ہوئے کہ ہمارے اکابر کی نسبت معقولات میں مہارت کم ہونے کا شبہ آج جاتا رہے گا، اورسب دیکھ لیں گے کہ معقول کس کو کہتے ہیں، مولانا (شیخ الہندؒ) کی جوں ہی مولانا علی گڈھی پر نظر پڑی، فوراً وعظ بیچ ہی میں قطع کر کے بیٹھ گئے، مولانا فخر الحسن صاحب گنگوہیؒ بوجہ ہم درس ہونے کے بے تکلف تھے، انہوں نے دوسرے وقت عرض کیا کہ یہ کیا کیا؟ یہی تو وقت تھا بیان کا، فرمایا: ''یہی خیال مجھ کو آیا تھا'' اس لئے قطع کر دیا کہ یہ تو اظہار علم کے لئے بیان ہوا نہ کہ اللہ کے واسطے''۔ (ذکر محمود ۵، تذکرے ۲۰۷)

للّٰہیت، اخلاص، بےلوثی، احتساب اور رضائے الٰہی کی فکر پر مبنی یہ کردار پوری امت کے لئے منارۂ نور ہے۔

آپ کی اخلاص وللّٰہیت کا ایک نمونہ یہ بھی ہے کہ جب آپ دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس نامزد ہوئے تو دیگر مدرسین کے ساتھ آپ کی تنخواہ میں بھی اضافہ ہوا، آپ کو احساس ہوا کہ دینی تعلیم پر معاوضہ نہیں لینا چاہئے، تنخواہ نہ لینے کا ارادہ حضرت گنگوہیؒ کے سامنے ظاہر کیا، حضرت نے فرمایا کہ حق المحنت لیتے رہو، یہ اخلاص کے خلاف نہیں ہے، حضرت کے کہنے پر تنخواہ لیتے رہے، حضرت کی وفات کے بعد پھر تنخواہوں میں اضافہ ہوا، تو آپ نے اضافی رقم لینے سے صاف انکار کردیا، کچھ عرصے بعد تنخواہ لینی بالکل بند کردی اور حسبةً للہ درس دیتے رہے۔ (حضرت شیخ الہند: مولانا اسیر ادروی ۳۲۴)

اکرام ضیف

اکرام ضیف (مہمان نوازی) صاحب ایمان کی ایمانی شخصیت کے لوازم میں سے ہے، سیرت شیخ الہند میں اس ایمانی وصف کی بھی خوب جلوہ گری ملتی ہے، حضرت کے

حالات میں آتا ہے کہ تواضع اور مہمان نوازی کی خاص شان آپ میں تھی، اوراس باب میں مسلم اور غیر مسلم اور امیر وغریب کا کوئی امتیاز نہیں تھا، جو مہمان بھی آپ کے ہاں آتا تھا، بڑی خوش دلی سے آپ اس کی خبر گیری فرماتے تھے، اوراسے آرام پہنچانے میں دلی مسرت محسوس کرتے تھے۔ (ملاحظہ ہو: ارواحِ ثلاثہ)

حضرت مولانا سید اصغر حسین میاں صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''مہمانوں کی خدمت فرماتے، کبھی کھانا زنانہ مکان سے لاکر مہمانوں کے سامنے رکھتے، عشاء کے بعد کھڑے ہیں اور سب کی ضروریات کو دریافت کررہے ہیں، خادم اور مہمان شرم سے پانی پانی ہوئے جارہے ہیں، اور حضرت مکان میں سے بستر اور لحاف اٹھا کر لا رہے ہیں، مالٹا سے واپسی کے بعد حضرت بہت ضعیف ہوگئے تھے، مجمع بھی بے تعداد رہتا تھا، پھر بھی ہر شخص سے اس کی راحت وآرام وقیام کا حال کچھ نہ کچھ دریافت فرمالیتے تھے، رخصت ہونے والوں کے لئے ریل کے وقت سے پہلے بہت اہتمام وتاکید سے کھانا تیار کراتے تھے، ناواقف مہمانوں کی بے تمیزی پر صبر فرماتے تھے''۔ (حیاتِ شیخ الہند ۲۲۵)

اساتذہ کا اکرام وخدمت

علم کے آداب اور نورِ علم کے حصول کی شرطوں میں ایک بنیادی چیز اساتذہ کا اکرام اور خدمت بھی ہے، حضرت شیخ الہند کی سیرت اس حوالہ سے بھی نمونے کا مقام رکھتی ہے، حضرت کے استاذ اکبر حضرت نانوتویؒ تھے، آپ کے دل میں حضرت نانوتوی کے لئے عقیدت کا بے پناہ جذبہ تھا، دارالعلوم میں استاذ ہونے کے بعد بھی آپ حضرت نانوتویؒ کی خدمت میں لگے رہتے تھے، ایک موقع پر حضرت علیل وصاحب فراش ہوگئے، آپ اپنے

اسباق پڑھا کر سیدھے حضرت کے گھر حاضر ہوتے اور پوری خدمت فرماتے۔

واقعات میں آتا ہے کہ:

''ایک بار حضرت نانوتویؒ اپنے وطن نانوتہ میں بیمار ہوگئے، شیخ الہند عیادت کے لئے گئے، تو انہوں نے دیوبند چلنے کی خواہش کا اظہار کیا، آپ نے اس کا بندوبست شروع کردیا، برسات کا موسم تھا، ہلکی ہلکی بارش ہورہی تھی، اسی میں سفر کرنا تھا، آپ نے ایک گھوڑا فراہم کیا، حضرت نانوتویؒ کو گھوڑے پر بٹھایا، اپنی لنگی اوپر چڑھا کر باندھ لی، پھر ایک ہاتھ میں چھتری رکھی؛ تاکہ حضرت کو بارش سے بچا کر لے چلیں، اور دوسرے ہاتھ سے ان کی پشت کو سہارا دیتے رہے؛ تاکہ کمزوری کی وجہ سے وہ گر نہ جائیں، اس طرح ۱۴ ؍میل کا راستہ طے کیا اور دیوبند پہنچے''۔ (تذکرۂ مشائخ دیوبند ۲۲۰)

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ:

حضرت شیخ الہند جب اس سفر میں جانے لگے، جس میں قید کرکے مالٹا پہنچادئے گئے، تو ہمارے گھر تشریف لائے، اس وقت دادی صاحبہ (اہلیہ حضرت نانوتویؒ) حیات تھیں، دہلیز کے پاس پردہ کے پیچھے پیڑھا ڈال دیا گیا، اس پر بیٹھ گئے، اور فرمایا کہ اماں جی! مجھے اپنی جوتیاں دے دیجئے، اندر سے جوتیاں دے دی گئیں، تو ان کو اپنے سر پر رکھ کر دیر تک روتے رہے، اور فرمایا کہ میں اپنے استاذ (حضرت نانوتویؒ) کی خدمت کا حق ادا نہ کرسکا، اس کا مجھے افسوس ہے۔ (ملفوظاتِ فقیہ الامت)

اتباعِ شریعت

حضرت شیخ الہندؒ کی زندگی کا ایک بہت امتیازی پہلو اتباعِ شریعت وسنت کا جذبہ ہے

پناہ اوراس تعلق سے بے انتہاء حساسیت اور فکرمندی ہے، شریعت کے کسی حکم یا کسی سنت کے خلاف کوئی بات یا عمل یارائے کسی بھی صورت میں قبول اور گوارا نہیں کرتے تھے۔ شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ نے لکھا ہے:

''محرم الحرام ۱۳۳۵ھ کی اخیر تاریخوں میں شیخ الاسلام مکہ معظّمہ عبداللہ سراج کی طرف سے نقیب علماء مکہ عصر کے بعد آیا، اور کہا کہ مجھ کو شیخ الاسلام نے بھیجا ہے، اور حضرت شیخ الہند سے اس محضر کی تصدیق طلب کی ہے، مولانا کے اس پر دستخط کرادو، اس کو دیکھا گیا تو عنوان یہ تھا: ''من علماء مکۃ المکرّمۃ المدرسین بالحرم الشریف المکي'' (مکہ مکرمہ کے علماء کی جانب سے جو مکہ کے حرم شریف میں درس دیتے ہیں) اور اس میں تمام ترکوں کی تکفیر اس بنا پر کی گئی تھی کہ انہوں نے سلطان عبدالحمید خان مرحوم کو معزول کیا ہے، شریف حسین کی بغاوت کو حق بجانب اور مستحسن قرار دیا گیا تھا، اور ترکوں کی خلافت کا انکار تھا، وغیرہ وغیرہ۔ حضرت نے اس پر دستخط کرنے سے صاف انکار کردیا اور کہا کہ چوں کہ یہ محضران علماء مکہ مکرمہ کی طرف سے ہے جو کہ حرم مکی میں پڑھاتے ہیں اور میں ہندوستان کا باشندہ ہوں، اور حرم مکی میں مدرس بھی نہیں ہوں، اس لئے مجھ کو کسی طرح اس پر دستخط کرنا درست نہیں ہے، وہ واپس چلا گیا، حاضرین میں سے بعض احباب نے کہا کہ اس کا نتیجہ خطرناک ہے، حضرت نے جواب دیا کہ پھر کیا کیا جائے؟ نہ عنوان اجازت دیتا ہے نہ معنون، معنون میں جو باتیں ذکر کی گئی ہیں وہ سراسر خلافِ شریعت ہیں'' .... دوچار دن کے بعد شریف حسین خود جدہ گیا اور وہاں سے حکم بھیجا کہ فوراً مولانا محمود حسن اوران کے رفقاء کو گرفتار

کر کے بھیجو‘‘۔ (نقش حیات ۲؍۶۵۰)

غور کیا جائے کہ اس خلافِ شریعت وحق فتویٰ پر تمام خطرات کے باوجود حضرت نے تائیدی دستخط نہیں فرمائے، جس کے خمیازے کے طور پر قید بامشقت کی سزا جھیلنی پڑی۔

اتباعِ شریعت کے اسی جذبہ کا ایک اور نمونہ حضرت شیخ الہند اور حضرت شیخ الاسلام کی مالٹا سے رہائی کے بعد دیو بند پہنچنے کے بعد سامنے آیا، حضرت شیخ الہند اور ان کا پورا گھرانہ حضرت مدنی کا عاشق تھا، حضرت مدنی کی استاذ سے محبت، عقیدت اور خدمت وایثار نے حضرت شیخ الہند اور ان کی اہلیہ کے دل میں حضرت مدنی کے لئے بے انتہاء محبت پیدا کردی تھی، حضرت شیخ الہند کی اہلیہ اپنے بڑھاپے کے اس دور میں اِسی غلبۂ محبت کی وجہ سے حضرت مدنی کو پیار کرنے اور پردہ نہ کرنے کی بات بار بار فرماتی تھیں، اس پر حضرت شیخ الہند نے بڑے رقت آمیز لہجے میں فرمایا کہ:

> ’’اگر میرا بیٹا ہوتا تو اتنی خدمت نہیں کرسکتا تھا، میرا بھی دل نہیں چاہتا کہ تم پردہ کرو، مگر یہ سوچ لو کہ شریعت حقہ کے خلاف ہے، تم کو گناہ ہوگا، حضرت کی اہلیہ بہت دین دار تھیں، اپنے ارادے سے خوفِ خدا کی وجہ سے ہٹ گئیں۔ (ملاحظہ ہو: تذکرۂ شیخ مدنی ۱۱۲)

ہندوستان کی تحریک آزادی کے روحِ رواں حضرت شیخ الہند تھے، آپ ہی کی للّٰہیت اور جہد وعمل کے طفیل یہ تحریک ہر جگہ پھیل گئی تھی، اس تحریک کے علم بردار اگرچہ مسلمان ہی تھے؛ لیکن برادرانِ وطن بھی اس میں شامل تھے، تحریک میں غالب عنصر مسلمانوں کا تھا، اس لئے حضرت شیخ الہند نے غیر مسلموں کے ساتھ یہ اشتراکِ عمل گوارا فرمایا؛ لیکن حضرت کو ہمہ وقت یہ فکر رہتی تھی کہ غیروں کے ساتھ یہ اشتراک مسلمانوں کے اپنے طرز معاشرت اور مذہبی تشخصات وامتیازات وشعائر پر مؤثر نہ ہو، اسی دوران کسی مقام پر یہ بات سامنے آئی کہ غیروں سے خیر سگالی کے اظہار کے طور پر مسلمان اس سال عید الاضحیٰ کے موقع پر گائے کی قربانی نہیں

کریں گے، حضرت کو یہ خبر پہنچی تو بے چین ہو گئے، اور واضح فرمایا کہ یہ مقاصد شرعیہ کے بالکل خلاف ہے، ہم مذہبی احکام میں ادنیٰ تصرف اور ذرا سی ترمیم کو بھی برداشت نہیں کر سکتے، خواہ وہ لوگ ہمارا ساتھ چھوڑ دیں، پھر اس کی صرف زبانی مخالفت ہی نہیں فرمائی؛ بلکہ عمل سے اس کی کھلم کھلا تردید کی اور ہر سال بکروں کے معمول کے باوجود اس سال گائے کی قربانی کا اہتمام کیا۔ (ملاحظہ ہو: قصص الاکابر، حضرت تھانوی ۲۰۲، تذکرے ۲۰۶)

ان تمام مثالوں سے سمجھا جا سکتا ہے کہ اتباعِ شریعت کی کیسی روح اللہ نے حضرت کے دل میں بھر دی تھی، یہ جذبہ ہر صاحب ایمان کے لئے قابل اتباع وتقلید ہے۔

تواضع اور بے نفسی

حضرت شیخ الہندؒ کے اخلاق واوصاف میں تواضع، انکساری اور بے نفسی کا رنگ بہت نمایاں تھا، اور یہی آپ کی عظمت ومحبوبیت کا راز تھا، آپ کی تواضع کا ایک مظہر یہ واقعہ ہے:

> ''مدرسہ معینیہ اجمیر کے معروف عالم حضرت مولانا معین الدین صاحب معقولات کے مسلم عالم تھے، انہوں نے شیخ الہند کی شہرت سن رکھی تھی، ملاقات کا اشتیاق پیدا ہوا، تو ایک مرتبہ دیوبند تشریف لائے، اور حضرت شیخ الہند کے مکان پر پہنچ گئے، گرمی کا موسم تھا، وہاں ایک صاحب سے ملاقات ہوئی جو صرف بنیان اور تہبند پہنے ہوئے تھے، مولانا معین الدین صاحب نے ان سے اپنا تعارف کرایا اور کہا کہ مجھے حضرت مولانا محمود حسن صاحب سے ملنا ہے، وہ بڑے تپاک سے مولانا اجمیری کو اندر لے گئے، آرام سے بٹھایا اور کہا کہ ابھی ملاقات ہو جاتی ہے، مولانا اجمیری منتظر رہے، اتنے میں وہ شربت لے آئے اور مولانا کو بلایا، اس کے بعد مولانا اجمیری نے کہا کہ حضرت مولانا محمود حسن صاحب کو اطلاع دیجئے، اُن

صاحب نے فرمایا کہ آپ بے فکر رہیں اور آرام سے تشریف رکھیں، تھوڑی دیر بعد وہ صاحب کھانا لے آئے اور کھانے پر اصرار کیا، مولانا اجمیری نے کہا کہ میں مولانا محمود صاحب سے ملنے آیا ہوں، آپ انہیں اطلاع کر دیجئے، ان صاحب نے فرمایا کہ انہیں اطلاع ہوگئی ہے، آپ کھانا تناول فرمائیں، ابھی ملاقات ہوجاتی ہے، مولانا اجمیری نے کھانا کھالیا تو ان صاحب نے انہیں پنکھا جھلنا شروع کر دیا، جب دیر ہوگئی تو مولانا اجمیری برہم ہوگئے، اور فرمایا: آپ میرا وقت ضائع کر رہے ہیں، میں مولانا سے ملنے آیا تھا اور اتنی دیر ہوچکی ہے، ابھی تک آپ نے ان سے ملاقات نہیں کرائی، اس پر وہ صاحب بولے: دراصل بات یہ ہے کہ یہاں مولانا تو کوئی نہیں، البتہ محمود خاکسار ہی کا نام ہے، مولانا معین الدین صاحب یہ سن کر ہکا بکا رہ گئے''۔(تذکرے ۲۰۷-۲۰۸)

حضرت شیخ الہند کی تواضع اور انکساری کا ایک اور نمونہ درج کیا جاتا ہے، حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے فرمایا:

''حضرت شیخ الہند کے یہاں رمضان المبارک میں یہ معمول تھا کہ عشاء کے بعد تراویح شروع ہوتی تو فجر تک ساری رات تراویح ہوتی تھی، ہر تیسرے یا چوتھے روز قرآنِ کریم ختم ہوتا تھا، ایک حافظ صاحب تراویح پڑھایا کرتے تھے اور حضرت والا پیچھے کھڑے ہوکر سنتے تھے، تراویح سے فارغ ہونے کے بعد حافظ صاحب وہیں حضرت والا کے قریب تھوڑی دیر کے لئے سوجاتے تھے، حافظ صاحب فرماتے تھے کہ ایک دن جب میری آنکھ کھلی تو دیکھا کہ کوئی آدمی میرے پاؤں دبا رہا ہے، میں سمجھا کہ کوئی

طالب علم ہوگا، کافی دیر کے بعد میں نے جو مڑ کر دیکھا تو حضرت شیخ الہند میرے پاؤں دبا رہے تھے، میں ایک دم سے اٹھ گیا اور کہا کہ حضرت! یہ آپ نے کیا غضب کر دیا؟ حضرت نے فرمایا کہ غضب کیا کرتا؟ تم ساری رات تراویح میں کھڑے رہتے ہو، میں نے سوچا کہ دبانے سے تمہارے پیروں کو آرام ملے گا، اس لئے دبانے کے لئے آ گیا''۔ (اصلاحی خطبات ۳۵/۵-۳۶)

حضرت کے حالات میں آتا ہے کہ تواضع اور فنائیت بہت غالب تھی، حضرت کی مسجد میں ''کسیر'' نامی تالابوں میں پیدا ہونے والی نرم اور گرم گھاس (جو سوکھنے کے بعد قالین جیسی گرم ہو جاتی تھی) موسم سرما میں بچھائی جاتی تھی، ایک بار چار طلبہ کے ساتھ حضرت یہی گھاس لانے تالاب کی طرف گئے، طلبہ کے ساتھ خود بھی گھاس درانتیوں سے کاٹتے رہے، کاٹ کر جمع شدہ ذخیرے کے پانچ گٹھر بنائے، چار گٹھر طلبہ کے سروں اور ایک اپنے سر پر رکھ لیا، طلبہ نے اصرار کیا مگر نہ مانے، اور بلا کسی عار اور شرم کے وہ گٹھر اٹھا کر شہر سے گذرتے ہوئے مسجد میں آ گئے۔ (پچاس مثالی شخصیات)

حضرت شیخ الہند تحریک خلافت کے سرگرم حامی؛ بلکہ روحِ رواں تھے، جب کہ آپ کے شاگرد حضرت تھانویؒ تحریک خلافت کے سخت ناقد تھے، حضرت شیخ الہند نے کبھی بھی حضرت تھانوی کی تنقید کا برا نہیں مانا، جو حضرت کی بے نفسی اور عظمت کی دلیل ہے۔ حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں:

''حضرت کے قلب پر میرے اختلاف سے ذرہ برابر گرانی نہ تھی، ایک مرتبہ تحریک خلافت کے زمانہ میں حضرت کی بیٹھک میں کچھ لوگ بیٹھے ہوئے میرے متعلق برے بھلے الفاظ کہہ رہے تھے، کچھ الفاظ حضرت کے

کانوں میں پڑ گئے، باہر تشریف لائے، بہت خفا ہوئے، اور یہ فرمایا کہ:
خبردار! جو آئندہ ایسے الفاظ کبھی استعمال کئے،اور یہ فرمایا کہ میرے پاس کیا
وحی آئی ہے کہ جو کچھ میں کر رہا ہوں وہ سب ٹھیک ہے، میری بھی ایک رائے
ہے اور اس کی بھی ایک رائے ہے، ہمیں تو اس پر فخر ہے کہ جو شخص تمام
ہندوستان سے بھی متأثر نہ ہوا اور کسی کی بھی پرواہ نہ کی وہ بھی ہماری جماعت
سے ہے''۔(ملفوظات حکیم الامت/۱۱۴)

اختلافِ رائے کو برداشت کرنے، اجتہادی معاملات میں اپنی رائے کو حق سمجھنے پر اصرار سے بچنے اور بے انتہاء تواضع اور بے نفسی کا مظہر یہ واقعہ تمام خدام دین کے لئے اپنے اندر عبرتوں اور نصیحتوں کے بہت سامان رکھتا ہے۔

جن حضرات کو توجہ کے ساتھ صحیح بخاری سمجھنے، سمجھانے اور پڑھانے کی سعادت نصیب ہوئی ہے ان کے سامنے مختلف اکابر محققین کی الگ الگ رائیں سامنے آتی ہیں، خاص طور پر امام بخاری کے تراجم ابواب (موضوعات وعناوین) کی تشریح میں شارحین ومحققین اپنے اپنے مذاق کے مطابق وضاحت کرتے ہیں، ایسے کسی موقع پر جب حضرت شیخ الہند کی رائے سامنے آتی ہے تو دل بے اختیار گواہی دیتا ہے کہ یہ رائے بے حد وزنی اور قابل ترجیح ہے، اپنے درسِ بخاری میں حضرت کا معمول تھا کہ اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے حد درجہ تواضع اور بے نفسی کے ساتھ فرماتے تھے کہ:''اور کچھ خیال میں یوں بھی آتا ہے''اس سے آپ کی منکسرانہ طبیعت ظاہر ہوتی ہے۔(ملاحظہ ہو: مجالس علم وذکر، از: حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب مدظلہم ۱۱۳/۲)

حضرت حکیم الامت نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ حضرت شیخ الہند نے فرمایا:

''بارہا حاضری گنگوہ کے وقت خیال ہوا کہ حضرت گنگوہی قدس سرہ
سے حدیث کی اجازت کی درخواست کروں، مگر معاً یہ خیال آیا کہ اگر پوچھ

بیٹھے کہ تجھ کو آتا ہی کیا ہے جو حدیث کی سند مانگتا ہے تو کیا جواب دوں گا؟

بس یہ سوچ کر چپ رہ گیا۔ (ملاحظہ ہو: النور ماہ شعبان ۳۹/۲، آپ بیتی حضرت شیخ)

حضرت شیخ الہند کی زندگی میں تواضع اور انکساری کے بے شمار نمونے ہیں، حدیث نبوی کے بموجب اسی تواضع کی خوبی نے حضرت کو تمام اقران و معاصرین میں رفعت مقام اور عظمت شان عطا فرمادی تھی۔

حضرت شیخ الہند کے تصنیفی وتالیفی کارنامے

تعلیمی، دعوتی، تحریکی اور جہادی سرگرمیوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے حضرت شیخ الہند سے تصنیفی وتالیفی کام بھی لیا، اس سلسلہ کا سب سے قابل قدر کام ''ترجمہ قرآن'' ہے، حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلوی کے ترجمہ قرآن کو آپ نے آسان اردو میں منتقل فرمایا، یہ پہلا با محاورہ اردو ترجمہ قرآن تھا، یہ کام آپ نے ۱۳۲۷ھ میں دیوبند میں شروع کردیا تھا؛ لیکن اس کی تکمیل اسارت مالٹا کے دور میں ہوئی، ساتھ ہی سورۂ نساء تک کے تفسیری حواشی بھی آپ نے لکھے، جو ''دریا بہ کوزہ'' کے بجا طور پر مصداق ہیں، اور سلف کے مستند تفاسیر کے تفصیلی مضامین کا جامع اجمال ہیں، جو صاحب تفسیر کے علمی تبحر ورسوخ کا آئینہ دار ہیں، اس کی تکمیل کی سعادت بعد میں آپ کے شاگرد رشید علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے حصہ میں آئی۔

دوسرا اہم کارنامہ جو اسارت مالٹا کے دور میں انجام پایا وہ بخاری شریف کے تراجم ابواب کی توضیح کے موضوع پر ۵۲؍صفحات پر مشتمل رسالہ ''الابواب والتراجم للبخاری'' ہے، جو کتاب العلم تک کے ابواب کو محیط ہے، اس میں ابواب بخاری کے تعلق سے حضرت نے ۱۵؍قیمتی علمی اصول بیان فرمائے ہیں، پھر ابواب پر محققانہ اور بصیرت افروز تبصرہ ہے۔

ان کے علاوہ غیر مقلدیت کے رد میں ''ادلہ کاملہ'' اور ''ایضاح الادلہ'' نیز ''حاشیہ مختصر المعانی'' اور ''تصحیح ابوداؤد شریف'' اور ان کے علاوہ مختلف علمی رسائل حضرت کی یادگار ہیں،

اور یہ سب حضرت کے علمی نبوغ ورسوخ اور محققانہ کمال وجوہر کا جیتا جاگتا ثبوت ہے۔

وفاتِ حسرت آیات

۳۰ر نومبر ۱۹۲۰ء مطابق ۱۸ر ربیع الاول ۱۳۳۹ھ بروز منگل صبح ۹ر بجے بوقت چاشت حضرت شیخ الہند علیہ الرحمہ نے دہلی میں آخری سانس لی، اور یہ آرزو لے کر رخصت ہوگئے کہ: ''افسوس میں بستر پر مر رہا ہوں، حسرت تو یہ تھی کہ میدانِ جہاد میں ہوتا اور اعلاء کلمۃ الحق کے جرم میں میرے ٹکڑے کر دئے جاتے'' اس شوق شہادت کے ساتھ آپ اپنے رب سے جا ملے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ہزار ہا ہزار عقیدت مندوں نے نماز جنازہ ادا کی اور قبرستانِ قاسمی میں اپنے استاذ حضرت نانوتویؒ کے جوار میں آپ کو سپرد خاک کر دیا گیا، حضرت مدنی نے لکھا ہے:

ایک غم زدہ کی زبان نے بھرائی ہوئی آواز سے کہا:

مٹی میں کیا سمجھ کے چھپاتے ہو دوستو
گنجینۂ علوم ہے یہ، گنجِ زر نہیں

(بیس بڑے مسلمان بحوالہ: سوانح ۱۵۲)

امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد نے حضرت کو سچا خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے جمعیۃ علماء کے اجلاس سوم لاہور (۱۹۲۱ء) کے خطبہ صدارت میں کہا تھا:

''ان کی وفات بلاشبہ ایک قومی ماتم ہے...... مولانا مرحوم ہندوستان کے گذشتہ دورِ علماء کی آخری یادگار تھے، ان کی زندگی اِس دورِ حرمان وفقدان میں علماء حق کے اوصاف وخصائل کا بہترین نمونہ تھی، ان کا آخری زمانہ جن اعمالِ حقہ میں بسر ہوا وہ علمائے ہند کی تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہیں گے، ستر برس کی عمر میں جب ان کا قد ان کے دل کی طرح اللہ کے آگے جھک چکا تھا،

عین جوار حرم میں گرفتار کئے گئے، اور کامل تین سال تک جزیرۂ مالٹا میں نظر بند رہے، یہ مصیبت انہیں صرف اس لئے برداشت کرنی پڑی کہ اسلام اور ملت اسلام کی تباہی و بربادی پر ان کا خدا پرست دل صبر نہ کر سکا، اور انہوں نے اعدائے حق کی مرضات واہوا کی تسلیم واطاعت سے مردانہ وار انکار کر دیا، فی الحقیقت انہوں نے علماء حق وسلف کی سنت زندہ کر دی اور علماء ہند کے لئے اپنی سنت حسنہ یادگار چھوڑ گئے، وہ اگرچہ اب ہم میں موجود نہیں ہیں؛ لیکن ان کی روحِ عمل موجود ہے، اور اس کے لئے جسم کی طرح موت نہیں۔

وما دام ذکر العبد بالفضل باقیا

فذٰلک حي، وھو في التراب ھالک

(خطباتِ صدارت مولانا آزاد ۹۳-۹۴)

باب دوم

حضرت شیخ الہندؒ:

خدمت حدیث کے نمایاں گوشے

حضرت شیخ الہند: خدمت حدیث کے نمایاں گوشے

حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی رحمہ اللہ کی شخصیت گرامی انتہائی ہمہ جہت اور جامل الکمالات شخصیت تھی، اللہ رب العزت نے متنوع خوبیوں سے انھیں نوازا تھا، اور مختلف میدانوں اور محاذوں پر متعدد جہات سے قائدانہ اور ماہرانہ انداز میں علم دین اور قوم و وطن کی قابل رشک وتقلید خدماتِ عالیہ کے لئے انہیں موفق فرمایا تھا۔

جہاد وعزیمت، تزکیہ واصلاح کے پہلو بہ پہلو اللہ نے انہیں علوم دینیہ میں امتیازی درک ورسوخ کا مقام عطا کیا تھا، ان کی تعلیمی اور تدریسی خدمات کے فیوض دور دور تک عام ہوئے اور ان کی تابانی سے پورا عالم منور ہوا۔

تحصیل علوم حدیث

حضرت شیخ الہندؒ نے علم حدیث کو اپنی خاص توجہ کا مرکز بنایا، صحاح ستہ کا درس انہوں نے اپنے استاذ گرامی امام اکبر حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ سے لیا، حضرت نانوتوی ان ایام میں میرٹھ مقیم تھے، اور اپنے اوقات کو فارغ کر کے منتخب، ذہین اور مباحث کو اخذ کر سکنے والے طلبہ کو حدیث نبوی کا درس دیا کرتے تھے، حضرت شیخ الہند نے سفر حضر تمام مواقع پر میرٹھ، دہلی، نانوتہ اور دیوبند سبھی مقامات میں اپنے استاذ کی خدمت کو لازم پکڑے رکھا اور علمی استفادہ کرتے رہے، درس کا انداز کیا ہوتا تھا، خود حضرت شیخ الہند کا بیان ہے:

> ”میں شاہ ولی اللہ صاحب کی تصانیف دیکھ کر حضرت نانوتوی کے درس میں حاضر ہوتا تھا، اور وہ باتیں پوچھتا تھا جو شاہ صاحب کی تصنیفات

میں غایت درجہ مشکل ہوتی تھیں، شاہ صاحب کے یہاں جو آخری جواب
ہوتا تھا، وہ حضرت نانوتوی اول ہی مرتبہ میں فرمادیتے تھے، میں نے بار بار
اس کا تجربہ کیا ہے۔'' (تاریخ دارالعلوم دیوبند: ۱/۱۱۳)

صحاح ستہ کے اس بصیرت افروز، محققانہ اور عالمانہ درس کا سلسلہ تقریباً دوسال میں
مکمل ہوا، حضرت شیخ الہند پوری تیاری، حاضر دماغی، پابندی، اور لائق رشک علمی ذوق کے
ساتھ اس درس میں شریک ہوئے اور ۱۲۸۹ھ میں اس کی تکمیل فرمائی۔

تدریس حدیث

حضرت شیخ الہند فراغت کے فوراً بعد ہی سے دارالعلوم دیوبند میں تدریسی خدمات
انجام دینے لگے تھے، ۱۲۹۲ھ میں آپ کو باضابطہ استاذ و مدرس طے کردیا گیا، اور اس کے
ایک سال بعد ہی سے دورۂ حدیث کے اہم اسباق آپ سے متعلق کردیئے گئے، ۱۳۰۸ھ میں
آپ کو دارالعلوم دیوبند کی صدارتِ تدریس تفویض کی گئی اور آپ آخر عمر تک اس منصب پر
فائز رہے۔

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ فرماتے ہیں:

''حضرت شیخ الہندؒ نے مسلسل چالیس برس تک درس حدیث دیا،
اور اس دوران آٹھ سو ساٹھ اعلیٰ استعداد کے صاحب طرز عالم دین، فاضل
دین اور ماہر فنون پیدا کئے، آپ کا درس حدیث اس دور میں امتیازی شان
رکھتا تھا اور مرجعِ علماء تھا، آپ کو علمائے عصر نے ''محدثِ عصر'' تسلیم کیا۔''
(کشف الباری شرح بخاری از حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب مدظلہم: ۱/ ۷۵)

حضرت شیخ الہند کے مسند صدارت سنبھالنے کے بعد طالبین علوم کا رجوع روز بروز
بڑھتا چلا گیا، اور ملک کے طول وعرض سے تشنگان علوم نبوت اپنی علمی سیرابی کے لئے جوق

در جوق حاضر ہونے لگے۔

تدریس حدیث کا اسلوب وامتیاز

حضرت شیخ الہند نے اپنے مرکز عقیدت استاذ حضرت مولانا نانوتوی کے اسلوب و انداز کی اتباع جاری رکھی اور فلسفیانہ انداز وطریق کے عموم ورواج کی وجہ سے طالبین کے ذہنوں کو حدیث نبوی، فقہ اسلامی اور شریعت مقدسہ کے تعلق سے مکمل منشرح ومطمئن کرنے اور ہر نوع کے خلجانات وشکوک کے سد باب کے مقصد سے ''امعان وتعمق'' کا وہ اندازِ درس جاری رکھا جس میں حدیث کے ہر ہر لفظ و جملے اور اس کے تمام متعلقات، نکات، حقائق، لطائف اور دقائق پر سیر حاصل بحث کی جائے، اور ہر ہر جزء مکمل طور پر منقح کر دیا جائے۔

حضرت شیخ الہند کے تلمیذِ ارشد عارف باللہ حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحبؒ نے حضرت کے انداز درس کی انتہائی سچی تصویر کشی کی ہے، لکھتے ہیں:

> ''مولانا کا حلقۂ درس نہایت مہذب اور شائستہ ہوتا تھا، دوسرے مدارس کے فارغ یافتہ اور بڑے بڑے ذہین طالب علم نہایت مؤدب طریق سے حاضر خدمت رہتے، اور حضرت کمال عظمت ووقار سے درس دیتے، مستعد طالب علم بار بار اور طرح طرح سے اپنے شکوک وشبہات پیش کرتے تھے اس طرح کہ حلقۂ درس بالکل مجلس مناظرہ بن جاتی تھی، کبھی حضرت کے الزامی جواب طالب علم کو ساکت کر دیتے تھے، اور کبھی جامع مانع تقریر'' شفاء لما فی الصدور'' کا کام دیتی تھی، الزامی جواب میں ملکہ تام تھا، اور اس خوبی وقوت استدلال سے تقریر فرماتے کہ سائل کو شرح صدر ہو جاتا۔
>
> بہت سے ذی استعداد ذہین وفطین طالب علم جو مختلف اساتذہ کی خدمتوں سے استفادہ کرنے کے بعد حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتے

تھے اپنے شکوک وشبہات کے کافی جواب پانے کے بعد حضرت مولانا کی زبان سے آیات قرآنیہ اوراحادیث نبویہ کے معانی اور مضامین عالیہ سن کر سرنیاز خم کر کے معترف ہوتے کہ یہ علم کسبی نہیں ہے، اور ایسا محقق عالم دنیا میں نہیں ہے۔حلقہ درس دیکھ کر سلف صالحین واکابر محدثین کے حلقۂ تحدیث کا نقشہ نظروں میں پھر جاتا تھا، قرآن وحدیث حضرت کی زبان پر تھا اور ائمہ اربعہ کے مذاہب ازبر، اور صحابہ وتابعین، فقہاء ومجتہدین کے اقوال محفوظ، نہایت سبک اور سہل الفاظ، بامحاورہ اردو میں اس روانی اور جوش سے تقریر فرماتے تھے کہ معلوم ہوتا تھا کہ دریا اُمڈ رہا ہے، استاذ (حضرت نانوتویؒ) کے حقائق ودقائق نقل فرماتے، اور اپنی تحقیقات عجیبہ اور مضامین عالیہ سناتے مگر مفسرین ومحدثین، شراح ومصنفین کا ادب اس درجہ ملحوظ رکھتے تھے، کہ کہیں شائبہ تنقیص بھی نہ آنے پاتا۔

مسائل مختلف فیہا میں ائمہ ثلاثہ (رحمہم اللہ) بلکہ دیگر مجتہدین کے مذاہب بھی بیان فرماتے، اور مختصر طور سے دلائل بھی نقل فرماتے لیکن جب امام ابوحنیفہؒ کا نمبر آتا تو مولانا کے قلب میں انشراح، چہرہ پر بشاشت، تقریر میں روانی، لہجہ میں جوش پیدا ہوجاتا، دلیل پر دلیل، شاہد پر شاہد، قرینہ پر قرینہ بیان کرتے چلے جاتے، تقریر رکتی ہی نہ تھی، اوراس خوبی سے مذہبِ امام اعظم کو ترجیح دیتے تھے کہ سلیم الطبع اور منصف المزاج لوٹ جاتے تھے۔دور دور کی مختلف المضامین احادیث جن کی طرف کبھی خیال بھی نہ جاتا تھا پیش کر کے اس طرح مدعا ثابت فرماتے کہ بات دل میں اتر جاتی تھی، اور سامعین کا دل گواہی دیتا اور آنکھوں سے نظر آجاتا تھا کہ یہی جانب حق

ہے۔

باایں ہمہ ائمہ اسلام کا ادب واحترام، اوران کے کمالات کا اعتراف حضرت کی تعلیم کا ایک جزولاینفک ہوگیا تھا، خود بھی ایسی ہی تقریر فرماتے اور صراحت سے ذہین نشین کراتے تھے کہ ''مذاہب مجتہدین حق مبین ہیں اور سب مستدل بالکتاب والسنۃ، ان کی تنقیص موجب بدبختی اورسوء ادب، باعث خسران''۔

محدثین میں امام بخاریؒ اورائمہ مجتہدین میں حضرت امام اعظمؒ کے ساتھ خاص تعلق تھا، امام بخاری کے علوم اللہ تعالیٰ نے آپ پر کھول دیئے تھے، امام ابوحنیفہؒ کے مذہب کے لئے حق تعالیٰ نے حضرت کوشرح صدر کردیا تھا، اسی کا اثر طلبہ پر پڑتا تھا، حضرت مولانا کا طرز تحدیث اورجمع بین اقوال الفقہاء والاحادیث بالکل وہی تھا جو ہندوستان کے نامی گرامی خاندان حضرت شاہ ولی اللہ صاحب اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب (قدس سرہما) کا تھا، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے اقوال کو نہایت اعتبار اوراعتماد کے ساتھ نقل فرماتے، اورنہایت ادب سے نام لیتے۔'' (حیات شیخ الہند/۳۲-۳۶)

صحیح بخاری کے درس میں حضرت شیخ الہند کی محدثانہ، فقیہانہ اور محققانہ شان بہت نمایاں رہتی تھی، آپ کے شاگرد رشید حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی رقم طراز ہیں:

''سیدنا شیخ الہند کی ژرف نگاہی اوران کے حکیمانہ نقطہ نظر کا سب سے زیادہ تجربہ اس وقت ہونے لگا، جب بخاری شریف شروع ہوئی، بخاری کے مہمات میں جیسا کہ جاننے والے جانتے ہیں کہ سب سے زیادہ اہم

تراجم ابواب کا معاملہ ہے، قرآنی آیات میں مناسبت اور باہمی ربط جیسے قرآن کی سب سے بڑی حکمت ہے، اسی طرح امام بخاری کے تراجمِ ابواب کا رنگ بھی قریب قریب وہی ہے، بظاہر بے ربطی میں ہی ربط کا راز پوشیدہ ہوتا ہے، شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی تراجم کے حل کو اپنی بحث کا موضوع بنا کر مستقل رسالہ ہی ارقام فرمایا ہے، کوئی شبہ نہیں کہ حضرت شاہ صاحب کے اس رسالے نے بخاری کے تراجم ابواب کے سمجھنے کی نئی شاہراہ شاید پہلی دفعہ کھولی، یہی ولی اللہی راہ تھی جو شیخ الہندؒ کے سامنے وراثۃً آئی۔

حقیقت یہ ہے کہ جس وقت تراجم ابواب کی بحث شیخ الہندؒ کے حلقے میں چھڑ جاتی تھی، تو حضرت والا پر بھی خاص حال طاری ہوجاتا تھا، اور سننے والے بھی محو حیرت بن جاتے تھے، وجد کی سی کیفیت میں معلوم ہوتا تھا کہ سارا مجمع ڈوب گیا ہے، **كأن على رؤوسهم الطير** کا منظر قائم ہوجاتا تھا، خود وہ بھی کھل جاتے تھے، اور سننے والے بھی کھلے جاتے تھے، نئے معارف، جدید حقائق جو نہ کبھی سنے گئے، اور نہ پڑھے گئے، معلوم ہوتا تھا کہ ان سے پردے ہٹ رہے ہیں، دل کی گرہیں وا ہوتی چلی جاتی ہیں۔

اپنے تراجم میں امام بخاری کا قاعدہ یہ ہے کہ قرآنی آیتوں کو حسب ضرورت شریک کرتے چلے گئے ہیں، اس بہانے سے ان قرآنی آیتوں کے نئے پہلوؤں کے جاننے ہی کا موقع نہیں ملتا تھا، بلکہ قرآن فہمی کی نئی راہیں بھی کھلتی تھیں، اور میں کیا بتاؤں کہ ترمذی شریف کے درس کے بعد، بخاری شریف کا درس جب شروع ہوا تو دل کے لئے بھی اور دماغ کے لئے بھی کیسی لذیذ خوراکیں ملنے لگیں، ایسی خوراکیں، جو منطق کی کسی کتاب میں

ملیں نہ فلسفے میں، نہ ادب میں اور نہ کسی اور فن میں ملی تھیں، دوسروں کے متعلق کچھ کہنے کا ظاہر ہے، مجھے کیا حق ہے،لیکن اپنی حد تک یہ محسوس ہوتا تھا کہ میرا باہر بھی بدل رہا ہے اور اندر بھی۔(احاطۂ دارالعلوم/ ۱۵۵-۱۵۶)

مذکورہ تفصیل سے سمجھا جاسکتا ہے کہ:

- عالمانہ وقار
- جامعیت اور موضوع کا استیعاب واحاطہ
- علمی تحلیل وتجزیہ
- علمی دیانت
- قرآنی استدلال پر اولین ترکیز
- دوسرے مرحلے میں احادیث نبوی کی طرف مکمل اعتناء
- اس کے بعد آثار صحابہ سے استدلال
- ائمہ دین کا غایت درجہ احترام
- احادیث کے اخلاقی واحکامی ہر دو پہلوؤں کی طرف توجہ دہانی
- معقولی، اصولی اور دل نشین ہوجانے والا انداز واسلوب
- احادیث میں جمع وتطبیق کی مکمل کوشش

وغیرہ حضرت شیخ الہند کے درس حدیث کے بنیادی امتیازات ہیں۔

علم حدیث میں حضرت شیخ الہند کی دقت نظر اور اس کے نمایاں نمونے

اللہ عزوجل نے حضرت شیخ الہند کو علمی رسوخ وتبحر، فہم وبصیرت، ذوقِ تحقیق اور قوت

استدلال کا وہ مقام عطا فرمایا تھا کہ احادیث کے اختلافات وتعارضات کو آپ اس طرح حل فرمایا کرتے تھے کہ کوئی اختلاف معلوم ہی نہ ہوتا تھا، اسی طرح مشکلات ومبہمات حدیث کی ایسی دل نشین شرح وتوضیح فرماتے تھے کہ چٹکیوں میں مسئلہ حل ہو جاتا تھا۔

ذیل میں حضرت کی اسی دقت نظر اور شان محدثانہ کے کچھ نمونے درج کئے جاتے ہیں:

(۱) سورج گرہن کی نماز

مشہور مصری عالم علامہ سید رشید رضا حضرت شیخ الہندؒ کے زمانہ میں جب دارالعلوم تشریف لائے تو اس وقت امام العصر علامہ کشمیریؒ نے استقبالیہ جلسہ میں حضرت کے تفقہ فی الحدیث اور عالمانہ دقت نظر پر اس طرح روشنی ڈالی:

''انہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے خاص توجہ عطا فرمائی ہے کہ وہ متعارض روایات کی نہایت عمدہ دلنشین تطبیق فرماتے، اور مشکلات ومبہمات حدیث کا نہایت عمدہ حل پیش فرماتے ہیں، اس کی ایک مثال دیکھئے کہ انہوں نے ایک دفعہ مجھے فرمایا کہ صلوۃ کسوف میں تعدد رکوع جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے غالباً یہ کسی وجہ کی بنا پر آپ ﷺ کی خصوصیت ہے، لیکن آپ ﷺ نے امت کو خطاب کر کے فرمایا:

صلوا کأحدث صلوٰۃٍ صلیتموھا من المکتوبۃ.

تم نے جو فرض نماز ابھی تازہ تازہ پڑھی ہے، یعنی فجر کی نماز اس صلوۃ کسوف کو بھی اسی طرح پڑھو،

میں نے عرض کیا کہ حضرت: حضرات علماء شافعیہ اس تشبیہ کو محض تعداد رکعات پر محمول کرتے ہیں، وحدتِ رکوع پر محمول نہیں کرتے، آپ

نے فرمایا کہ یہ تو ایک بدیہی کو نظری کرنا ہوا، اس لئے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسوف کی نماز تعدد رکوع کے ساتھ خود ہی تمام لوگوں کے سامنے مجمع عظیم کو پڑھائی، اور آپ ﷺ امت کے لئے تعدد رکوع ہی کو مشروع قرار دینا چاہتے ہیں، تو آپ ﷺ نے اس پر اکتفاء کیوں نہیں فرمایا، آپ ﷺ کا عمل تو لوگوں نے اس وقت دیکھا تھا، آپ ﷺ کا فعل بھی حجت شرعی ہے، صرف عمل پر اکتفاء نہ کرتے ہوئے آپ ﷺ نے صبح کی نماز کے ساتھ تشبیہ دی، اور قول کے ساتھ امت کو حکم دیا، اس کی وجہ اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ آپ ﷺ یہ واضح فرماتے ہیں کہ تعدد رکوع کسی عارض کی وجہ سے تھا اور امت کو وہ طریقہ بتلا دیا جو نماز کے بارے میں ایک معروف طریقہ تھا۔ (مقام محمود/ ٦٦-٦٧)

(۲) حدیث مصراۃ کی توجیہ

فقہ اور حدیث کے معرکۃ الاراء مسائل میں سے ایک مشہور مسئلہ ''شاۃ مصراۃ'' کا ہے، جس کی تفصیلات سے اہل علم بخوبی واقف ہیں، عام طور پر جانوروں کا کاروبار کرنے والے لوگ اپنے دودھ والے جانور (بکری، اونٹنی وغیرہ) کا دودھ فروخت کرنے سے چند ایام قبل سے دوہنا روک دیتے تھے، تاکہ تھن فروخت کے وقت پھولے نظر آئیں اور خریدار جانور کو خوب دودھ دینے والا سمجھ کر زیادہ قیمت میں خرید لے۔

احادیث میں حکم آیا ہے کہ جب بھی کوئی ایسا جانور خریدے اور بعد میں اسے اندازہ ہو کہ اسے دھوکہ دیا گیا ہے تو وہ عیب دار جانور کو واپس کرسکتا ہے لیکن ساتھ ہی اسے ایک صاع کھجور بھی بیچنے والے کو دینی ہوگی۔

حدیث میں ایسے جانور کو واپس کرنے کے ساتھ ایک صاع کھجور واپس کرنے کا جو

حکم دیا گیا ہے وہ قرآن وحدیث ہی کے بیان کردہ دوسرے اصول سے بظاہر مطابقت نہیں رکھتا۔ حضرت شیخ الہندؒ اس حدیث کی توجیہ میں جو تقریر فرمایا کرتے تھے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت جہاں شارع اور قاضی کی تھی وہاں آپ ﷺ کی حیثیت مربی و شیخ اور مرشد و مشیر کی بھی تھی، اس حیثیت میں آپ ﷺ قانونی فیصلوں سے ہٹ کر مسلمانوں کے درمیان صلح بھی فرمادیا کرتے تھے، اس حدیث مصراۃ میں ایک صاع کھجور واپس کرنے کا حکم قانونی طور پر نہیں بلکہ اسی حیثیت میں دیا گیا ہے۔(ملاحظہ ہو/ تذکرے ۲۰۰ از حضرت مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم)

(۳) وضو کا بچا ہوا پانی

حدیث کی تقریباً تمام کتابوں میں مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ وضو سے فارغ ہونے کے بعد وضو کا بچا ہوا پانی نوش فرمالیتے تھے، نیز یہ بھی روایت ہے کہ آپ ﷺ وضو کے بعد اپنے تہبند کے رومال پر پانی کے چھینٹے دے لیتے تھے۔ علماء حدیث نے ان دونوں سنتوں کی حکمت بیان کرتے ہوئے مختلف توجیہات ذکر فرمائی ہیں، لیکن اس کی جو توجیہ حضرت شیخ الہندؒ نے فرمائی ہے وہ ذوقی اعتبار سے سب سے زیادہ لطیف ہے، اس توجیہ کا خلاصہ یہ ہے کہ وضو اعضاء ظاہری کی طہارت و نظافت حاصل کرنے کا ایک عمل ہے اور جس طرح طہارت ظاہری مطلوب ہے اسی طرح بلکہ اس سے زیادہ اہمیت کے ساتھ باطن کی صفائی اور طہارت بھی مطلوب ہے، چنانچہ وضو سے فراغت کے بعد آنحضرت ﷺ نے یہ دو عمل مسنون قرار دیئے جن سے طہارت باطنی کی طرف اشارہ مقصود ہے، اور ان دو اعمال سے طہارت باطنی کا تعلق یہ ہے کہ تمام باطنی رذائل اور معصیتوں کا سرچشمہ انسان کے دو اعضاء ہیں، ایک منہ یا زبان اور دوسرے شرمگاہ، جیسا کہ ایک حدیث میں آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

من یضمن لی مابین لحییه و مابین رجلیه اضمن له

الجنة.

”جو شخص میرے سامنے اپنی دو چیزوں کو (معصیت سے محفوظ رکھنے) کی ضمانت دے دے میں اس کے لئے جنت کی ضمانت دیتا ہوں، ایک وہ چیز جو اس کے جبڑوں کے درمیان ہے (یعنی زبان) اور دوسرے وہ چیز جو اس کی ٹانگوں کے درمیان ہے (یعنی شرم گاہ)۔

چنانچہ وضو کے بعد بچا ہوا پانی پی کر اور زیر جامہ چھینٹے مار کر معصیت کے ان ہی سر چشموں کی طہارت کی طرف متوجہ کرنا مقصود ہے۔ (تذکرے/۱۹۷)

(۴) محبت نبوی میں نفسانیت

حضرت مولانا مناظر احسن گیلانیؒ لکھتے ہیں:

بخاری شریف کا سبق ہو رہا تھا، مشہور حدیث گزری کہ تم میں سے کوئی اس وقت تک مؤمن نہیں ہوسکتا، جب تک کہ اس کے مال اور بال بچے اور سارے انسانوں سے زیادہ میں اس کے لئے محبوب نہ ہو جاؤں

لایؤمن احدکم حتیٰ اکون احب الیه من والده و ولده والناس اجمعین. (بخاری کتاب الایمان)

فقیر ہی نے عرض کیا کہ بحمد اللہ عام مسلمان بھی سرکار کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق محبت کی اس دولت سے سرفراز ہیں، جس کی دلیل یہ ہے کہ ماں باپ کی توہین کو تو ایک حد تک مسلمان برداشت کر لیتا ہے، زیادہ سے زیادہ گالیوں کے جواب میں وہ بھی گالیوں پر اتر آتا ہے، لیکن رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی ہلکی سی سبکی بھی مسلمانوں کو اس حد تک مشتعل کر دیتی ہے کہ ہوش وحواس کھو بیٹھتے ہیں، آئے دن مشاہدہ ہے کہ جان پر لوگ کھیل گئے، سن کر حضرت نے فرمایا کہ ہوتا بے شک یہی ہے، جو تم نے کہا، لیکن ایسا کیوں ہوتا ہے؟

تہ تک تمہاری نظر نہیں پہونچی، محبت کا اقتضا یہ ہے کہ محبوب کی مرضی کے آگے ہر چیز قربان کی جائے لیکن عام مسلمانوں کا جو برتاؤ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی مبارک کے ساتھ ہے، وہ بھی ہمارے تمہارے سامنے ہے، پیغمبر ﷺ نے ہم سے کیا چاہا تھا اور ہم کیا کر رہے ہیں، اس سے کون ناواقف ہے، پھر سبکی آپ ﷺ کی، جو مسلمانوں کے لئے ناقابل برداشت بن جاتی ہے، اس کی وجہ محبت تو نہیں ہوسکتی، خاکسار نے عرض کیا، تو آپ ہی فرمائیں، اس کی صحیح وجہ کیا ہے؟

نفسیات انسانی کے اس مبصر حاذق نے فرمایا کہ سوچو گے تو درحقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سبکی میں اپنی سبکی کا غیر شعوری احساس پوشیدہ ہوتا ہے، مسلمانوں کی خودی اور انانیت مجروح ہوتی ہے، ہم جسے اپنا پیغمبر اور رسول مانتے ہیں تم اس کی اہانت نہیں کرسکتے، چوٹ درحقیقت اپنی اسی "ہم" پر پڑتی ہے لیکن مغالطہ ہوتا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت نے انتقام پر ان کو آمادہ کیا ہے، نفس کا یہ دھوکہ ہے، اپنی جگہ ٹھنڈے دل سے جو غور کرے گا، اپنے طرز عمل کے تناقض کے اس نتیجہ تک پہونچ سکتا ہے، بہر حال محبوب کی مرضی کی جسے پرواہ نہ ہو، اذان ہو رہی ہے اور لایعنی اور لاحاصل گپوں سے بھی جو اپنے آپ کو جدا کر کے موذن کی پکار پر نہیں دوڑتا، اسے انصاف سے کام لینا چاہئے کہ محبت کا دعویٰ اس کے منھ پر کس حد تک پھبتا ہے۔

حضرت والا کی تقریر کا یہی خلاصہ تھا، ظاہر ہے کہ ندامت اور شرمندگی کیساتھ سر جھکا لینے کے سوا، ان کی اس نفسیاتی تنبیہ کے بعد میرے لئے کچھ اور پوچھنے کی گنجائش ہی کیا باقی رہی تھی۔ (احاطۂ دارالعلوم میں بیتے ہوئے دن/۱۵۳-۱۵۵)

(۵) حدیث فہمی کا ایک اصول

حضرت شیخ الہندؒ حدیث فہمی کا ایک زریں اصول بھی بیان فرماتے تھے، جس سے علماء

کو بہت سے مسائل میں بہت فائدہ پہنچتا ہے، اور وہ یہ کہ:

آنحضرت ﷺ سے جو مختلف اعمال منقول ہیں وہ دو قسم کے ہیں۔ بعض اعمال تو ایسے ہیں جن کے بارے میں روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے ان کو معمول بنالیا تھا یا آپ ﷺ سے وہ اعمال کثرت کے ساتھ ثابت ہیں یا آپ ﷺ نے ان کو کرنے کا حکم دیا ہے، لیکن بعض اعمال ایسے ہیں کہ آنحضرت ﷺ سے اکا دکا مواقع پر ثابت تو ہیں لیکن ان کو معمول بنالینا یا ان کا التزام کرنا یا دوسروں کو ان کی ترغیب دینا ثابت نہیں ہے، ان دونوں قسموں میں سے ہر ایک کو اپنے مقام پر رکھنا چاہیئے۔ پہلی قسم کے اعمال کی پابندی کا اہتمام درست اور موافق سنت ہے، لیکن دوسری قسم کے اعمال کو ان کے مقام پر رکھنے کا تقاضا یہ ہے کہ ان کو اسی طرح کبھی کبھار کرلیا جائے جیسا آپ ﷺ نے کیا، لیکن ان کا مستقل معمول بنالینا مطلوب نہیں۔

حضرت شیخ الہندؒ نے اس کی مثال یہ بیان فرمائی کہ رکوع سے اٹھتے وقت **ربنا لک الحمد** کہنا آپ ﷺ سے مروی و مسنون ہے، لیکن حدیث میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ امامت فرما رہے تھے، جب آپ ﷺ نے رکوع سے اٹھتے وقت **سمع اللہ لمن حمدہ** فرمایا تو کسی صحابی نے قدرے بلند آواز میں کہا:

ربنا لک الحمد حمداً کثیراً طیبا مبارکا فیہ مبارکا علیہ کما یحب ربنا ویرضی.

نماز ختم ہونے کے بعد آپ ﷺ نے پوچھا: یہ کلمہ کس نے کہا تھا؟ اور جب وہ صحابی حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ (تمہارا یہ کلمہ فرشتوں

کو اس قدر پسند آیا کہ) اس کو آسمان پر لے جانے کے لئے ستر سے زیادہ فرشتے لپکے تھے۔

حضرت شیخ الہندؒ فرماتے ہیں کہ اگرچہ آنحضرت ﷺ نے اس کلمہ کی اتنی فضیلت بیان فرمائی لیکن روایات میں یہ کہیں مروی نہیں ہے کہ اس کے بعد آپ ﷺ نے یا دوسرے صحابہ کرام نے **ربنا لک الحمد** کے ساتھ ان کلمات کے اضافہ کو معمول بنالیا ہو، اس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کا مقصد اس کلمہ کی نفس فضیلت بیان فرمانا تھا، یہ مقصد نہ تھا کہ نماز میں اس کلمہ کا التزام کیا جائے، البتہ چونکہ آپ ﷺ نے ان صحابی کے اس عمل پر نکیر بھی نہیں فرمائی اس لئے اگر کوئی شخص کبھی کبھار یہ کلمہ کہہ لے تو جائز ہے، لیکن اس واقعہ کی بنیاد پر اس کلمہ کو نماز کا مستقل جزء بنالینا درست نہیں۔
(تذکرے/۲۰۰-۲۰۱)

(۶) حضرت عمرؓ اور شیطان

ایک مرتبہ کسی شخص نے حضرت شیخ الہندؒ سے سوال کیا کہ حدیث میں آنحضرت ﷺ سے مروی ہے کہ جس گلی سے حضرت عمرؓ گزرتے ہیں شیطان وہاں سے نہیں گزرتا، لیکن یہ بات خود آنحضرت ﷺ اور حضرت صدیق اکبرؓ کے بارے میں مروی نہیں ہے کہ شیطان ان کے راستے سے نہیں گزرتا، تو سوال یہ ہے کہ شیطان حضرت عمرؓ ہی سے کیوں ڈرتا تھا؟ جب کہ یقیناً آنحضرت ﷺ اور حضرت صدیق اکبرؓ ان سے افضل تھے، ان سے تو بطریق اولیٰ ڈرنا چاہئے تھا؟

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے فرمایا کہ: حضرت شیخ الہندؒ کا معمول یہ تھا کہ جب کوئی شخص آپ سے کوئی علمی سوال کرتا تو پہلی بار اسے ظریفانہ انداز سے الزامی قسم کا

جواب دیتے تھے، اس کے بعد تحقیقی جواب دیا کرتے تھے، چنانچہ اس سوال کے جواب میں آپ نے پہلے تو یہ فرمایا کہ:

''یہ شیطان کی حماقت ہے، اسی سے پوچھو کہ وہ حضرت عمر سے اتنا کیوں ڈرتا تھا اور حضور انور ﷺ یا صدیق اکبرؓ سے اتنا کیوں نہیں ڈرتا تھا۔''

پھر تحقیقی جواب دیا کہ:

درحقیقت کسی شخص کا افضل ہونا اور چیز ہے اور دلوں پر اس کا رعب ہونا دوسری بات ہے، ضروری نہیں کہ جو شخص سب سے زیادہ افضل ہو اس کا رعب بھی دوسرے ہر فرد سے زیادہ ہو۔ واقعہ یہ ہے کہ حضرت عمرؓ پر شان جلال غالب تھی اس لئے دلوں پر ان کا رعب بیٹھا ہوا تھا، اور آنحضرت ﷺ اور صدیق اکبرؓ پر شان جمال غالب تھی، اس لئے اگر کسی شخص کو حضرت عمر سے زیادہ ڈر لگے تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ (تذکرے/ ۱۹۸-۱۹۹)

(۷) میت پر رونے کا مسئلہ

حضرت شیخ الہندؒ نے عہد صحابہ سے اختلافی چلے آرہے اس مسئلہ کی وضاحت کرتے ہوئے یہ تقریر فرمائی:

''اس مسئلہ میں دو مذہب ہیں، جمہور صحابہؓ اور تابعینؒ کا مسلک اور یہی حضرت عائشہؓ کی رائے ہے کہ میت کے اہل خانہ کے اس پر رونے سے میت کو عذاب نہیں ہوتا، اور عائشہؓ کی دلیل اللہ تعالیٰ کا قول: ولا تزر وازرۃ وزر اخــــری ہے، عمرؓ، ابن عمرؓ اور ان کے متبعین حضرات کا مسلک ہے **المیت یعذب ببکاء اھله علیه** (میت کے اہل خانہ کے اس پر رونے سے میت کو عذاب ہوتا ہے) تو وہ احادیث جو عمرؓ اور ابن عمرؓ کے مسلک پر

دلیل ہیں (جمہور کی جانب سے) اس میں چند تاویل ہیں، ایک تاویل عائشہؓ نے فرمائی ہے کہ یہ لوگ نبی کریم ﷺ کے کلام کو نہیں سمجھے، آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ (کافر) میت کے اہل خانہ اس پر روتے ہیں، اس کے مفاخر ذکر کرتے ہیں، حالانکہ اس کا حال نہیں جانتے کہ اسے تو کفر کے سبب عذاب دیا جارہا ہے تو سامع نے سمجھا کہ اس پر رونے کے سبب عذاب ہو رہا ہے یا یہ تاویل کی جائے کہ تعذیب کی وعید عام نہیں ہے بلکہ خاص اس شخص کے بارے میں ہے جو اہل خانہ کے اس طرح رونے پر راضی تھا یا اس شخص کے بارے میں ہے جس نے اس کی وصیت کی ہو، لہذا اللہ تعالیٰ کے مذکورہ قول کا اعتراض وارد نہ ہوگا، اور ممکن ہے کہ نزاع محض لفظی ہو، اس لئے کہ عمرؓ اور ابن عمرؓ اس شخص کے حق میں تعذیب کے قائل نہیں جس نے وصیت نہ کی ہو، اور وہ اس کے قائل ہو بھی کیسے سکتے ہیں جب کہ یہ صریح نص قرآنی کے خلاف ہے، اور حضرت عائشہؓ وغیرہ اس شخص کے حق میں تعذیب کا انکار نہیں کرتے، جس نے اس کی وصیت کی یا اس پر راضی رہا، اور یہ حضرات بھی نص صریح من سن سنة حسنة (الحدیث) کے خلاف کیسے جا سکتے ہیں، تو فریقین کا مقصد تعذیب سے تعذیب روحانی اور ندامت ہے ۔ (فکر انقلاب: شیخ الہند نمبر/۳۲۴-۳۲۵)

(۸) یوم الشک کا روزہ

۲۹ر شعبان کو اگر چاند نظر نہ آئے تو ۳۰ر شعبان کا دن فقہاء کی اصطلاع میں ''یوم الشک'' کہلاتا ہے۔ فقہاء حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ ''یوم الشک'' میں روزہ رکھنا عوام کے لئے مکروہ ہے، البتہ وہ خواص اہل علم جو محض نفل کی نیت سے روزہ رکھیں اور ان کے دل میں

احتیاط رمضان کا شبہ نہ ہو، ان کے لئے یوم الشک کا روزہ رکھنے کی بھی اجازت ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کا بیان ہے کہ:

ایک مرتبہ یوم الشک تھا اور اس میں حضرت شیخ الہندؒ باہر مجلس میں تشریف لائے تو آپ نے پان کھایا ہوا تھا، حاضرین میں سے کسی نے پوچھا کہ ''حضرت! آج یوم الشک ہے اور اس میں خواص کو تو روزہ رکھنے میں کچھ حرج نہیں''، حضرت شیخ الہندؒ جواب میں اول تو فرمایا کہ ہاں! یہ حکم خواص کے لئے ہے لیکن ہم خواص کے شمار میں کہاں ہیں؟ اور پھر تھوڑی دیر میں خود ہی ارشاد فرمایا کہ ''حدیث کے الفاظ **فقد عصی اباالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم** سے ڈر لگتا ہے'' اشارہ اس طرف تھا کہ حدیث میں حضرت عمار بن یاسرؓ سے مروی ہے کہ:

ومن صام یوم الشک فقد عصی اباالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم.

''جس شخص نے یوم الشک میں روزہ رکھا اس نے ابوالقاسم ﷺ کی نافرمانی کی''

مقصد یہ تھا کہ اگر چہ علماء حنفیہ نے اس حدیث کو عوام کے حق میں قرار دیا ہے اور خواص کو اس سے مستثنیٰ رکھا ہے لیکن حدیث کے ظاہری الفاظ عام ہیں اور ان کی مخالفت سے ڈر لگتا ہے۔ (تذکرے/ ۱۹۷-۱۹۸)

(۹) حالت استنجاء میں قبلہ کی طرف رخ یا پیٹھ کرنے کا مسئلہ

حالت استنجاء میں استقبال قبلہ اور استدبار قبلہ کرنا محدثین کے درمیان ایک معرکۃ الآراء مسئلہ ہے، حنفیہ ہر حال میں چاہے آبادی میں ہو یا جنگل میں، استنجاء میں قبلہ کی طرف

رخ یا پشت کرنا دونوں منع کرتے ہیں، جب کہ حضرات شوافع صرف جنگل میں استقبال و استدبار قبلہ کو منع کرتے ہیں، آبادی میں ان کے یہاں اجازت ہے، شوافع حضرات اپنے مسلک کی تائید میں جہاں اور دیگر روایات کو ذکر فرماتے ہیں، وہیں حضرت عائشہ کی یہ روایت بھی پیش کرتے ہیں:

عن عائشةؓ: ذكر لرسول الله صلى الله عليه وسلم ان اناسا يكرهون ان يستقبلوا القبلة بفروجهم، فقال: اوقد فعلوها؟ حوّلوا مقعدتي قبل القبلة (رواه احمد)

آپ ﷺ سے ذکر کیا گیا کہ کچھ لوگ اپنی شرمگاہوں کے ساتھ استقبال قبلہ کو ناگوار سمجھتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا: واقعی انہوں نے ایسا کیا ہے؟ تم میری بیٹھک کو قبلہ رخ کردو۔

روایت کے الفاظ **حولوا مقعدتي قبل القبلة** سے امام شافعیؒ نے استدلال کیا کہ حالت استنجاء میں استقبال قبلہ کرنا اگر آبادی میں ہے تو درست ہے، کیونکہ آپ ﷺ خود فرمارہے ہیں **حولوا مقعدتي قبل القبله**۔

اس روایت کے مختلف جوابات حضرات محدثین نے دئے ہیں لیکن جو جواب حضرت شیخ الہندؒ نے دیا ہے اس کو سن کر علم حدیث کا لطیف ذوق رکھنے والا طالب علم جھوم اٹھے گا، نہ تو امام بخاری کی طرح اس روایت پر طعن کرتے ہیں اور نہ ہی امام ذہبی کی طرح اسے حدیث منکر بتلاتے ہیں، علامہ عثمانیؒ **وقال شيخنا المحمود** کہہ کر آپ کا جواب فتح الملہم شرح مسلم میں اس طرح نقل فرماتے ہیں کہ:

"عہد نبوت میں بعض لوگوں نے جب یہ روایت **لا تستقبلوا القبله بفروجهم** سنی جسے امام مالکؒ نے اپنی موطا میں نقل فرمایا ہے، تو

شدت حیا کی بنا پر استقبال قبلہ بالفرج میں حد درجہ غلو کرنے لگے، یہاں تک کہ وہ حد شرعی سے تجاوز کر کے عام حالات پاخانہ، پیشاب، استنجاء کے علاوہ غسل، جماع، دوران نماز میں قیام، رکوع و سجود اور قعود کی حالتوں میں استقبال بالفرج کو حرام سمجھنے لگے، حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ اس وقت جو لوگ سجدہ کرتے تھے تو اپنے پیٹ کو دونوں رانوں سے بالکل چمٹا لیتے تھے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ استقبال بالفرج ہو جائے، حالانکہ یہ سنت کے بالکل خلاف تھا، ستر کے لئے کپڑوں کا ہونا کافی تھا، اسی طرح کا واقعہ حضرت ابن عباسؓ نے بھی نقل کیا ہے،

ان عمومی حالات میں حضرات صحابہ کی شدت احتیاط کو دیکھ کر جو رفتہ رفتہ حرج کے منزل میں قدم رکھ رہی تھی، بعض لوگوں نے آپ ﷺ سے ذکر کیا تو اس وقت آپ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ:

حولوا مقعدتی قبل القبلة .

کہ میری نشست گاہ یعنی عام حالات کی بیٹھک کو قبلہ رخ کر دو، تاکہ لوگ استقبال بالفرج میں غلو کرنے سے بچ سکیں، اور امت اس حرج شدید میں مبتلا نہ ہو۔ (فتح الملہم: ۱/ ۴۲۶)

یہ ہے حدیث کا مفہوم، جو صحابہ کرام کے طرز عمل کو سامنے رکھ کر متعین کیا گیا، حدیث کی یہ ایسی تشریح ہے جو متقدمین شراح کے یہاں نہیں ملتی، اس مفہوم کی تعیین کے بعد حضرت امام شافعیؒ کے لئے اس سے استدلال کا کوئی جواز نہیں باقی رہ جاتا۔ (مقام محمود/ ۶۷-۶۸)

(۱۰) سمندر کے پانی اور مردار کے مسئلہ والی حدیث

صحابہؓ نے آپ ﷺ سے سمندر کے پانی کی بابت سوال کیا، سوال کی وجہ یہ تھی کہ

روزانہ سمندر میں بہت سے جانور مرتے ہیں، تو اس پانی کا کیا حکم ہے؟ اس کے جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا:

هو الطهور ماؤه و الحل ميتته .

سمندر کا پانی پاک ہے اور اسکا مردار حلال ہے۔

احناف کے علاوہ دیگر ائمہ "الحل" کے لفظ کو حلال کے معنیٰ میں لیکر تقریباً تمام سمندری جانوروں کی حلت کے قائل ہیں، حضرت شیخ الہند کی نکتہ رسی اس حدیث کے بارے میں درج ذیل ہے:

یہاں حل سے مراد طہارت ہے، اور حدیث کے معنی یہ ہیں کہ ماءِ کثیر دریائی جانور کے مرجانے سے ناپاک نہیں ہوتا، اس لئے کہ دریائی جانور پاک ہے، اس صورت میں یہ جملہ اس سوال کا جواب ہوگا جس میں سمندر اور دریا کے پانی کا حکم دریافت کیا گیا ہے، کیوں کہ اس میں حیوانات مرتے رہتے ہیں، تو ارشاد ہوا کہ وہ ناپاک نہیں ہوگا، اس لئے کہ اس کا مردار پاک ہے۔ (تقریر ترمذی/ ۷)

(۱۱) صحیح بخاری کے پہلے باب کی توضیح

صحیح بخاری کا پہلا باب آپ ﷺ پر وحی کی ابتداء کی کیفیت سے متعلق ہے، لیکن باب کے ذیل میں آنے والی کچھ احادیث بظاہر باب کے مضمون پر منطبق نظر نہیں آتیں، اس انطباق کے تعلق سے مختلف شارحین و محدثین نے تشریح فرمائی ہے، حضرت شیخ الہندؒ نے انتہائی جامع اور دل نشین تشریح فرمائی ہے، فرماتے ہیں:

"اس ترجمہ میں واقع الفاظ "وحی"، "بدء" اور "کیف" کو عام قرار دیں اس طرح کہ: وحی عام ہے متلو ہو یا غیر متلو، وحی منامی ہو یا الہامی، فرشتہ

اصل صورت میں آیا ہو یا بصورتِ بشر، وحی کے اندر تو یہ تعمیم ہوگی۔

دوسرا لفظ ''بدء'' ہے، اس میں بھی تعمیم ہوگی: بدایت باعتبار مکان، کہ کس جگہ سے شروع ہوئی؟ بدایت باعتبار زمان کہ کس زمانے سے شروع ہوئی؟ بدایت باعتبار ماحول واحوال، کہ کن حالات میں ابتدا ہوئی؟ بدایت باعتبار صفات موحی الیہ ومبعوث الیہم، کہ جس پر وحی نازل ہو رہی تھی اس کی صفات کیا تھیں؟ اور جن کی طرف آپ ﷺ کو بھیجا گیا ہے ان کی کیا صفات تھیں؟ لفظ ''بدء'' کے اندر اس طرح کی تعمیم مانیں گے۔

اسی طرح لفظ ''کیف'' ہے، اس کے اندر بھی زمانی، مکانی، موحی الیہ اور مبعوث الیہم کی تعمیم ہوگی، اس طرح ترجمہ کے اندر بڑی وسعت آجائے گی اور تمام احادیث کے ترجمۃ الباب پر انطباق میں کوئی مشکل پیش نہیں آئے گی کیونکہ تمام احادیث میں وحی کی کسی نہ کسی کیفیت اور حالت کا ذکر ہے۔ (کشف الباری: از حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب مدظلہم: ۱/ ۲۱۵-۲۱۶)

(۱۲) وزن اعمال

امام بخاریؒ نے اپنی صحیح کا آخری باب اس عنوان سے قائم فرمایا ہے

''باب و نضع الموازین القسط لیوم القیامة و ان اعمال بنی آدم توزن''

جس کا خلاصہ یہ ہے کہ قیامت میں میزان عدل قائم ہوگی اور انسانوں کے تمام اعمال کا وزن ہوگا، یہاں یہ مشہور کلامی بحث چھڑ گئی ہے کہ اعمال تو اعراض ہیں اور وزن صرف جواہر و اجسام کا ہو سکتا ہے، اعمال کا وزن کیسے ہوگا؟ اس کے جواب میں مختلف علماء نے مختلف توجیہات اختیار کی ہیں، کسی نے کہا کہ اعمال ناموں کا وزن ہوگا، کسی نے کہا کہ اعمال کی کیفیت جانچنے کو مجازاً وزن سے تعبیر کیا گیا ہے، اور کسی نے کہا کہ اعمال بشکل جواہر آئیں گے اور انہیں تولا

جائے گا۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ بخاری شریف کے ختم کے موقع پر بیان فرماتے تھے کہ دیوبند میں ہر سال جب حضرت شیخ الہندؒ بخاری شریف کا ختم کراتے تو میں اس درس میں شامل ہوا کرتا تھا، حضرت اس سوال کے جواب میں جو کچھ فرماتے وہ سب سے زیادہ اطمینان بخش توجیہ تھی، حضرت شیخ الہندؒ فرماتے کہ:

> یہ سوال پرانے زمانے میں تو کسی درجہ میں قابل اعتناء تھا، لیکن ہمارے زمانے میں تو اس سوال کی گنجائش نہیں، آج کے دور میں صرف جواہر واجسام ہی کا نہیں بلکہ اعراض کا وزن بھی کیا جاتا ہے، اور ہر چیز کے لئے الگ پیمانے مقرر ہیں، مثلاً حرارت کی تھرمامیٹر کے ذریعہ پیمائش کی جاتی ہے، ہوا میں رطوبت کا تناسب ناپا جاتا ہے، لہذا اگر انسان اپنی محدود عقل کے ذریعہ ان اعراض کی پیمائش کرسکتا ہے تو مالک الملک والملکوت نے اگر اعمال کے وزن کے لئے کوئی مخصوص میزان عدل مقرر فرمادی ہو تو اس میں تعجب اور استبعاد کی کیا بات ہے؟ (تذکرے/ ۱۹۹-۲۰۰)

حدیث کی سند عالی کا شرف وامتیاز

حضرت شیخ الہند کے اصلِ استاذِ حدیث حضرت نانوتویؒ تھے، جن کے اساتذہ میں حضرت شاہ عبدالغنی مجددیؒ تھے، ۱۲۹۴ھ میں حضرت نانوتوی اور دیگر اکابر کے ہمراہ حضرت شیخ الہندؒ نے بھی سفر حج فرمایا، اور دوران سفر بار بار اپنے استاذ حضرت نانوتوی کے ہمراہ مدینہ منورہ میں حضرت شاہ عبدالغنی مجددیؒ کی خدمت میں اور مکۃ المکرّمہ میں سید الطائفہ حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے۔

حضرت شیخ الہندؒ کے دل میں یہ آرزو پیدا ہوئی کہ حضرت شاہ عبدالغنی مجددی سے

اجازت حدیث حاصل کرلیں تاکہ سندِ عالی کا شرف حاصل ہوجائے ،مگر استاذ کا بے انتہا ادب دل میں تھا، اپنی اس آرزو کے اظہار کو حضرت نانوتوی کی شان میں بے ادبی تصور کر کے خاموشی اختیار کرلی، واپسی سے کچھ ایام قبل خود حضرت نانوتوی نے حضرت شیخ الہند کو ترغیب دی کہ حضرت شاہ عبدالغنی صاحب ہم سب کے استاذ گرامی ہیں، یہ موقع غنیمت سمجھ کر صحاح ستہ کے اوائل حضرت کو سنادو اور اجازت حدیث حاصل کرلو، پھر حضرت نانوتوی نے خود جاکر حضرت شاہ صاحب سے حضرت شیخ الہند کے لئے سفارش بھی فرمادی، حضرت شیخ الہند نے صحاح ستہ کے اوائل حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں سنائے اور حضرت نے کمال بشاشت کے ساتھ حضرت شیخ الہند کو اجازت حدیث مرحمت فرمادی، اس طرح یہ سند عالی حضرت شیخ الہند کو حاصل ہوگئی۔

خدمت حدیث کے تعلق سے
حضرت کے عظیم تصنیفی کارنامے

الابواب والتراجم

حضرت شیخ الہند کی ایک ممتاز ترین علمی وحدیثی خدمت تراجم ابواب(صحیح بخاری کے عناوین) کی عالمانہ اور محققانہ شرح کا کام ہے، اسارت مالٹا کے پرآشوب دور میں حضرت کے قلم سے شروع کتاب (بیانِ وحی) سے لے کر کتاب العلم کے " باب ذکر العلم و الفتیا فی المسجد" تک "الابواب و التراجم" نامی یہ رسالہ لکھا جاسکا تھا، پھر حضرت کی رہائی عمل میں آئی اور اس کے بعد گوناگوں مصروفیات نے مہلت ہی نہ دی یہاں تک کہ وقت موعود آگیا۔

تراجم ابواب کے تعلق سے اس رسالے میں بے انتہا نفیس مباحث آ گئے ہیں، بطور خاص آغاز میں ۱۵/اصول بیان ہوئے ہیں جو تراجم کے حل میں رہنما اور معین ثابت ہوتے ہیں، محدث عصر علامہ یوسف بنوریؒ کے بقول:

''شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی نے فرمایا کہ بخاری کے تراجم کا قرض ابھی امت کے ذمہ باقی ہے، اسے آج تک کسی نے ادا نہیں کیا، میں کہتا ہوں کہ اگر حضرت شیخ الہند کی کتاب ''الابواب والتراجم'' مکمل ہوگئی ہوتی تو یہ قرض ادا ہوگیا ہوتا، لیکن افسوس وہ پوری نہیں ہوئی۔''

(مقدمہ لامع الدراری)

حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحبؒ فرماتے ہیں:

''حضرت مولانا کو علوم حدیث میں کمال حاصل ہونے کے ساتھ ہی **اصح الکتب بعد کتاب اللہ** صحیح بخاری سے ایک مخصوص مناسبت تھی، اور حضرت مولانا اس مخزن علوم حدیث کے غوامض و دقائق، اسرار و حقائق سے باحسن الوجوہ واقف اور ماہر تھے، اور اس کے درس میں آپ کو خاص حظ حاصل تھا، اور مناسبۃ التراجم بالابواب میں شروح وحواشی کے علاوہ اپنی نفیس وگراں مایہ تحقیقات بھی بیان فرمایا کرتے تھے، نظر بندیٔ مالٹا میں ترقی درجات و رفعت مقامات کے ساتھ وحی الٰہی کا ترجمہ ختم کرتے ہوئے علوم قرآن پر مزید غور کرنے سے مناسبت بالحدیث کو اضعاف مضاعف ترقی ہوئی اور علوم بخاری گویا منکشف ہوکر داعیۂ غیبی بخاری شریف کے متعلق کسی تحریر کا محرک ہوا اور حضرت نے تراجم بخاری کے متعلق متفرق اوقات میں بطرز یادداشت کچھ تحریر فرمانے کا ارادہ کیا، اور ایسے زمانہ میں کہ آپ کے

پاس بخاری شریف کا صرف ایک مصری نسخہ بلا حاشیہ و بین السطور موجود تھا، حسب معمول سلیس اردو میں اپنی تحقیق اور بہترین مناسبت بالا ابواب تحریر فرمانی شروع کی۔" (حیات شیخ الہند/ ۲۵۰-۲۵۱)

حضرت شیخ الہندؒ کا یہ رسالہ حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنیؒ کے مقدمے کے ساتھ طبع ہوا، حضرت مدنی نے مقدمہ میں تحریر فرمایا ہے:

"حضرت شیخ الہند قدس سرہ کی آخری تحریر تراجم بخاری سے متعلق تھی، جس کو اس خیال سے کہ آپ کا فیض علمی تا قیام قیامت جاری رہے، شائع کیا جاتا ہے، عدم مساعدت مشیت ایزدی کی وجہ سے اگرچہ شیخ الہند قدس سرہ اس تمام لالی و جواہر کو کاغذ کی سطح پر نہ رکھ سکے جن کا آپ نے ارادہ کرلیا تھا لیکن بحالت موجودہ بھی یہ گنجینۂ گراں مایہ سر آنکھوں پر رکھنے کے قابل ہے، ارباب نظر اور اصحاب علم اس مختصر سی تحریر سے جو فوائد حاصل کریں گے ان سے خود ہی واقف ہوجاوینگے، دعا ہے کہ خداوند عالم اس تحریر کو قبولیت عامہ سے نوازے، بالجملہ یہ رسالہ اس ناتمامی کی حالت میں بھی اگر بدر کامل کا کام نہیں دے گا تو ماہ دہ روزہ ثابت ہوگا۔" (مقام محمود/ ۱۴۵-۱۴۶ بحوالہ الابواب والتراجم: ۲، ۳، ۷۹)

تصحیح ابوداؤد

سنن ابی داؤد صحاح ستہ میں خاص اہمیت کی حامل بلند پایہ کتاب ہے، سالہا سال یہ کتاب حضرت شیخ الہند کے زیر تدریس رہی، سنن ابی داؤد کے اس دور کے مطبوعہ نسخوں میں متن میں متعدد کمیاں اور خامیاں تھی، انھیں کی تصحیح کا بیڑا حضرت نے اٹھایا، حضرت نے ابو داؤد کے تمام دستیاب قلمی اور مطبوعہ نسخے جمع کرائے اور سب کا بدقت نظر مطالعہ، مقارنہ اور

مقابلہ ومحاکمہ فرما کرصحیح نسخہ مرتب فرمایا، سالوں کی شب و روز کے بعد یہ اہم کام پایۂ تکمیل تک پہونچا، اور ۱۳۱۸ھ (۱۹۰۰ء) میں یہی نسخہ مطبع مجتبائی دہلی سے طبع ہوا، اور اب اسی کی نقل ہر جگہ سے طبع ہوتی ہے، یہ حضرت کی بلند پایہ حدیثی خدمت ہے۔

ایضاح الادلہ اور ادلۂ کاملہ

یہ دونوں گراں قدر تالیفات غیر مقلدین کی طرف سے احناف کے خلاف ترکِ حدیث کے الزامات کے رد میں مرتب ہوئی ہیں اور متعدد خلافیات ومسائل میں حضرت شیخ الہندؒ نے سیر حاصل بحث فرمائی ہے، نفیس ترین تحقیقات پیش فرمائی ہیں، اور دلائل سے ثابت کیا ہے کہ مسلکِ حنفی نصوص کتاب وسنت سے اقرب اور مکمل ہم آہنگ بھی ہے اور احناف نے تمام مسائل میں احادیث نبویہ کو اساس بنایا ہے اور انھیں سے استدلال کیا ہے۔

ایضاح الادلہ کے بارے میں حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب کے مذکورہ جملوں سے زیادہ وقیع کوئی تبصرہ نہیں ہوسکتا، فرماتے ہیں:

> ''حضرت مولانا نے اس کتاب میں شرح معانی حدیث اور تطبیق بین الروایات اور توفیق اقوال مجتہدین بالحدیث میں اپنے خداداد تفقہ فی الدین کا نمونہ دکھلایا ہے اور مختلف ابحاث کے ضمن میں ایسے مضامین عالیہ بیان فرماتے ہیں کہ اذہان متوسطہ کو ان کی ہوا بھی نہیں لگی، اور آیات قرآنی اور احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم، بلکہ اقوال وفقہاء ومجتہدین کی بھی اس خوبی سے شرح فرمائی ہے کہ بے ساختہ ان **ھذا لھو الحق المبین** زبان سے نکل جاتا ہے، اور قرآت فاتحہ اور نفاذ قضاء قاضی اور نکاح محرمات اور زیادۃ ونقصانِ ایمانی کی ابحاث میں بے مثل تحقیقات کو دیکھ کر الہام من عند اللہ کا یقین ہوجاتا ہے، اور پھر اسی کے ساتھ اردو عبارت نہایت سلیس،

تعریضات واشارات بےشمار اور باموقع اردوو فارسی کے پرمغزو ذائقہ دار اشعار، اس بےمثل خزینہ علوم محدثین کو چار سو صفحات پر ختم کر کے ۱۲۹۹ھ میں مولانا نے فراغت پائی اوراسی وقت طبع ہوکر مقبول خاطر اہل علم ہوا، حضرت مولانا کے علوم وکمالات کے لئے اگر بالفرض دنیا میں کوئی بھی ثبوت اور کوئی بھی یادگار نہ ہوتی تو یہی کتاب کافی تھی، جزاہم اللہ تعالیٰ عنا وعن سائر المسلمین۔(حیات شیخ الہند/۲۴۴)

واقعہ یہ ہے کہ حضرت کی یہ خدمت گویا دریا کو کوزے میں سمیٹنے کے مرادف ہے،اور اس موضوع پر تمام بعد والوں کے لئے مرجع واصل کا مقام رکھتی ہے۔

احسن القریٰ

حضرت شیخ الہندؒ نے دیہات میں جمعہ کے مسئلہ کے تعلق سے ایک قیمتی کتاب ''احسن القریٰ فی توضیح اوثق العریٰ'' کے نام سے تالیف فرمائی، اس کتاب میں جا بجا آیات قرآنی کے ساتھ احادیث نبویہ، ارشادات حدیثیہ، اقوال صحابہ وغیرہ سے استدلال واستشہاد کا رنگ نمایاں ہے،اس طرح حنفی نقطہ نظر مدلل ہوکر سامنے آ گیا ہے۔

حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحبؒ کے بقول:

''اس ضخیم کتاب کی عبارت مولانا کی تمام تصانیف سے زیادہ شگفتہ اور سلیس اور رواں ہے اور مولانا کی مہذب ظرافت اور بذلہ سنجی بہ نسبت دیگر تصانیف کے اس میں زیادہ نمایاں ، اثبات مدعا کے لئے احادیث واقوال محدثین کے علاوہ جا بجا آیات اور احادیث کی طرف لطیف اشارات اور موقع بموقع ادیبان عرب کے مشہور مقولے اور اہل عرب کی زبان زد مثالیں تحریر فرماتے جاتے ہیں۔(حیات شیخ الہند/ ۲۴۶)

تقریر ترمذی

یہ حضرت شیخ الہند کی جامع ترمذی کی درسی تقریروں کا مجموعہ ہے جو حضرت کے شاگرد حضرت مولانا سید اصغر حسین دیو بندیؒ کے قلم سے شائع ہوا تھا، یہ عربی تقریر ترمذی شریف کے مطبوعہ نسخوں کے ساتھ شائع ہورہی ہے، پھر اسے مستقل کتاب میں بھی طبع کیا گیا، بڑے سائز کے تقریباً ۵۰؍صفحات کو یہ مجموعہ محیط ہے ،اور انتہائی اختصار کے باوجود ترمذی کی مشکلات ومہمات کے حل کے لئے کافی شافی ہے، بطور خاص مسائل خلافیہ کوانتہائی جامعیت واختصار کے ساتھ اس طرح مدلل ومبرہن کیا گیا ہے کہ تمام ذہنی خلجانات رفع ہوجاتے ہیں، حضرت مولانا مدنیؒ کے بقول یہ تقریر دل پذیر ''**کحل البصر**'' کا کام دیتی ہے، اس تقریر کا اردو ترجمہ بھی ''**الورد الشذی**'' کے نام سے طبع ہوا ہے۔

تقریر بخاری

حضرت شیخ الہند کی صحیح بخاری کی کچھ درسی تقاریر جو آپ کے تلامذہ نے مرتب کی تھیں، ان کا ایک مجموعہ ''**الفیض الجاری علی صحیح البخاری**'' کے نام سے طبع ہوا ہے، یہ مجموعہ حضرت کے درسی امتیازات، اوراعلیٰ محدثانہ ذوق کا آئینہ دار ہے۔

ان عظیم علمی تصانیف کے علاوہ:

> ''صحاح اربعہ بخاری ،مسلم ،ترمذی، ابواؤد خصوصاً ترمذی وبخاری کے متعلق حضرت مولانا کی اثناء درس میں فرمائی ہوئی تقریر، جو صدہا طلبہ نے ضبط کی ہیں اور نقل در نقل ہوکر ان کے ہزارہا قلمی نسخے ہوگئے ہیں، جن میں مضامین علمیہ، تحقیقات احادیث اور تفصیل مذاہب اور ترجیح مذہب ابی حنیفہ بطرز محققانہ بکمال شرح وبسط مذکور ہیں، تصانیف سے بھی زیادہ حضرت

مولانا کے لئے باعث اجر وصدقہ جاریہ رہیں گے۔(حیات شیخ الہند/۲۵۲)

تلامذہ

حضرت شیخ الہندؒ کے علمی کمال، فضل ومقام کا اندازہ حضرت کے تلامذہ سے کیا جاسکتا ہے، ایک سے بڑھ کر ایک آفتاب و ماہتاب، حضرت نے بے شمار افراد کو اپنی تربیت وتعلیم سے کندن بنایا، آپ کے تلامذہ میں تمام علوم وفنون کے راسخ علماء شامل ہیں، علم حدیث میں امتیاز ورسوخ رکھنے والے علماء کی ایک بڑی تعداد آپ سے تلمذ کا شرف حاصل کر چکی ہے، ان میں:

(۱) خاتم المحدثین امام العصر حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ

(۲) حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ

(۳) شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ

(۴) شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ

(۵) شیخ الحدیث حضرت مولانا سید فخر الدین احمد مرادآبادیؒ

(۶) مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ

(۷) صدر المدرسین علامہ محمد ابراہیم بلیاویؒ

(۸) شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ

(۹) حضرت مولانا مناظر احسن گیلانیؒ

(۱۰) حضرت مولانا عبد الرحمٰن کیمل پوریؒ

وغیرہ سرفہرست ہیں۔

حاصل

حاصل یہ ہے کہ حضرت شیخ الہندؒ محدثین کی جماعت میں امتیازی شان ومقام کے حامل ہیں، اور ایک طویل مدت تک خدمت حدیث کا عظیم الشان بابرکت کام اللہ نے آپ سے لیا اور تالیفات اور تصنیفات نیز جلیل القدر تلامذہ کی شکل میں دنیا کے سامنے جو فیضان علمی حضرت کا جاری ہوا اس کی عظمت ہر قسم کے شک وشبہ سے بالاتر ہے، ضرورت اس بات کی ہے کہ حضرت کے تصنیفی حدیثی سرمائے کو نئی شکل میں مرتب کر کے شائع کیا جائے تا کہ تمام اہل علم اس خزانہ سے خوب خوب استفادہ کر سکیں۔

اللہ حضرت کے مراتب بلند فرمائے اور ان کے خلف کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی سعادت نصیب فرمائے، آمین۔

مصنف کی مطبوعہ علمی کاوشیں

● اسلام میں عفت وعصمت کا مقام

یہ کتاب عفت وعصمت کے موضوع پر انتہائی تفصیلی اور اہم پیش کش ہے، اپنے مندرجات کی جامعیت اور نصوص کی کثرت کی بنیاد پر اپنے موضوع پر اردو زبان میں انسائیکلو پیڈیا کی حیثیت رکھتی ہے، ملک و بیرونِ ملک کے اکابر علماء کے تأثرات وتقریظات سے آراستہ ہے۔ مختصر سے عرصہ میں اس کے پانچ ایڈیشن منظر عام پر آچکے ہیں، یہ کتاب بجا طور پر اس قابل ہے کہ عوام وخواص، علماء وعوام، مرد وعورت سبھی اس کو اپنے مطالعہ میں رکھیں۔

● اسلام میں صبر کا مقام

یہ کتاب صبر کے موضوع پر ایک انسائیکلو پیڈیا کی حیثیت رکھتی ہے، فاضل مصنف نے اس کتاب میں جدید اسلوب میں قرآن وحدیث، آثار صحابہ کی روشنی میں صبر کے مقام، اس کی اہمیت اور ضرورت کے متعدد پہلوؤں کو کافی شرح وبسط کے ساتھ واضح کیا ہے، صبر وشکر کے تقابلی تجزیے پر مصنف نے بے حد قیمتی باتیں تحریر کی ہیں، دور حاضر کے ہر نوجوان کو اس کتاب کا ضرور مطالعہ کرنا چاہیے۔

● ترجمان الحدیث

اس کتاب میں اصلاح معاشرہ اور تعمیر سیرت واخلاق کے متعلق ڈیڑھ سو صحیح ترین احادیث نبویہ کی مدلل اور عام فہم اسلوب میں عالمانہ تشریح کی گئی ہے۔ یہ کتاب بجا طور پر اس قابل ہے کہ اپنے مواد کی علمیت اور افادیت کی وجہ سے اسے مساجد اور اجتماعی مجالس میں سنایا اور پڑھایا جائے۔

● اسلام کی سب سے جامع عبادت نماز

اس کتاب میں نماز کی اہمیت، اقسام وانواع، خشوع کی شرعی حیثیت، خشوع کے مختلف طریقوں کا ذکر قرآن وسنت کی روشنی میں بڑی تفصیل سے کیا گیا ہے۔ خشوع کے موضوع پر جو

فاضلانہ اور عالمانہ مفصل و مدلل بحث کی گئی ہے وہ اردو دنیا میں اپنی نوعیت کی منفرد چیز ہے، یہ کتاب ہر خاص و عام کے مطالعہ میں جگہ پانے کی اولین مستحق ہے۔

● اسلام اور زمانے کے چیلنج

موجودہ معاصر حالات کے تناظر میں مصنف کے اشہب قلم سے نکلی ہوئی پرسوز، پردرد اور واقعیت پسندی پر مبنی فکری تحریروں کا یہ مجموعہ موجودہ صورتِ حال میں ہر مسلمان کے لئے راہبر اور فکری غذا فراہم کرتا ہے، جو بات بھی لکھی گئی ہے باحوالہ اور نصوص کی روشنی میں ہے۔

● سیرتِ نبویہ قرآنِ مجید کے آئینے میں

یہ کتاب قرآن کی روشنی میں سیرۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کے جامع اور روشن پہلوؤں کا احاطہ کرتی ہے، قرآنی سیرت کے موضوع پر یہ اردو زبان میں پہلی باضابطہ کتاب ہے، جس میں سیرت طیبہ کو تاریخی ترتیب کے ساتھ قرآنی بیان کے آئینہ میں پیش کرنے کی کامیاب کوشش کی گئی ہے، اسلوبِ بیان بے حد پرکشش اور اچھوتا ہے۔ کتاب کے متعدد ایڈیشن طبع ہو چکے ہیں۔

● عظمتِ عمر کے تابندہ نقوش

یہ کتاب عربی کے مشہور ادیب شیخ علی طنطاوی کی پراثر تحریر "قصۃ حیاۃ عمر" کی ترجمانی ہے۔ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے مقدمے سے مزین ہے، کتاب میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی عظمت و عبقریت کے نمایاں پہلو بہت دل نشیں اور ساحرانہ اسلوب میں اجاگر کئے گئے ہیں، سیرتِ عمر پر یہ کتاب عمدہ اور قابل قدر اضافہ ہے۔

● گناہوں کی معافی کے طریقے اور تدبیریں

یہ کتاب صحیح ترین احادیث نبویہ کی روشنی میں گناہوں کی معافی کے مختلف طریقوں کو محیط ہے، اس میں گنہ گاروں کو مایوسی سے بچنے کی تاکید اور توبہ کی تحریک اور عمل صالح کی ترغیب ملتی ہے، ہر مسلمان نوجوان کو اس کتاب کا مطالعہ ضرور کرنا چاہئے۔

● گلہائے رنگارنگ

تین جلدوں پر مشتمل یہ وقیع کتاب قرآن وسنت کی انقلابی تعلیمات، اصلاحِ قلب ونفس

ومعاشرہ، اسلام کے خلاف پھیلائے گئے مغالطّوں اور شکوک وشبہات کی مکمل اور مدلل تردید کو محیط عام فہم اور دل نشیں اسلوب میں بیش قیمت اور فکر انگیز تحریروں کا مجموعہ ہے۔ اس کتاب کا پہلا ایڈیشن بہت جلد مقبول ہوا، اب دوسرا ایڈیشن زیر طباعت ہے۔

● مفکر اسلام؛ جامع کمالات شخصیت کے چند اہم گوشے

یہ کتاب مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نور اللہ مرقدہٗ کی حیات وخدمات اور ان کی تابندہ زندگی کے روشن نقوش اور نمایاں امتیازات کی جامع اور مکمل تصویر کشی ہے۔ کتاب حضرت مولانا انظر شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن صاحب اعظمی مدظلہ کے بیش قیمت مقدمات سے مزین ہے، متعدد اہل قلم کے تأثر کے مطابق مفکر اسلام کی شخصیت پر لکھی جانے والی کتابوں میں یہ کتاب اپنے مواد کی جامعیت، اسلوب کی دل کشی اور حسن بیان کے اعتبار سے انفرادی شان رکھتی ہے۔

● علوم القرآن الکریم

یہ کتاب حضرت مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہ العالی کی اردو تصنیف علوم القرآن کا عربی ترجمہ ہے۔ مترجم نے بہت سلیس اور شگفتہ عربی زبان میں کتاب کو اردو سے منتقل کیا ہے، شروع میں حضرت مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہ کا مقدمہ زینت کتاب ہے۔

● اسلام میں عبادت کا مقام

یہ کتاب عبادت کے موضوع پر انتہائی جامع اور محیط کتاب ہے، جس میں عبادت کے تمام پہلوؤں کا کتاب وسنت اور اقوال سلف کی روشنی میں تحقیقی جائزہ لیا گیا ہے۔ عوام اور خواص سب کے لئے یکساں مفید ہے۔

● اصلاح معاشرہ اور تعمیر سیرت واخلاق

یہ کتاب معاشرتی اصلاح اور سیرت وکردار کی تعمیر کے تعلق سے بے حد مفید اور جامع کتاب ہے، جس میں اس موضوع کے مختلف پہلوؤں کا ذکر بڑی تفصیل سے اور وضاحت کے ساتھ کیا گیا ہے، دور حاضر میں ہر مسلمان کو اس کا مطالعہ ضرور کرنا چاہئے۔

● اسلام دین فطرت

یہ کتاب مذہب اسلام کے امتیازات اوراس کی انسانیت نواز تعلیمات کو واضح کرتی ہے،اس میں اسلام کی جامعیت، واقعیت، حقیقت پسندی، ربانیت، امن واسلامتی، اخوت ووحدت، مساوات واجتماعیت جیسے متعدداہم گوشوں پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔ ہر باذوق کے لئے قابل مطالعہ ہے۔

● دیگر کتب:

اختر تاباں (تذکرہ حضرت مولانا شاہ حکیم محمداختر صاحبؒ)
والد ماجد (تذکرہ حضرت مولانا محمد باقر حسین صاحبؒ)
مقام صحابہ اور غیر مقلدین
اسوۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روشن عناوین
سچ اور جھوٹ کتاب وسنت کی روشنی میں ایک جائزہ
اسلام کا جامع اور مؤثر ترین تعزیری نظام
کچھ یادیں کچھ باتیں (تذکرہ حضرت مولانا مفتی محمد افضل حسین صاحبؒ)
اسلام اور دہشت گردی
بنیادی دینی اور تاریخی معلومات

● عربی کتب:

علوم القرآن الكريم
وان المساجد لله
لمعات من الاعجاز القرآني البديع
اصول المعاش الاسلامی فی ضوء نصوص الكتاب والسنة......
نظرة عابرة على القضاء والقضاة فی الاسلام
بحوث علمية فقهية

نوٹ: یہ کتابیں مندرجہ ذیل پتوں سے حاصل کی جاسکتی ہیں:

(۱) اسلامک بک فاؤنڈیشن دہلی (۲) فرید بک ڈپو دہلی (۳) کتب خانہ نعیمیہ دیوبند (۴) جامعہ عربیہ امدادیہ مرادآباد